

دین اسلام
اور اولین مسلمانوں کی
دو متضاد تصویبیں

عقائد اہل سنت و عقائد فرقہ اثنا عشریہ کا تقابلی مطالعہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

حاجی عارفین اکیڈمی

کے۔ ۳ ناظم آباد منیشن، ناظم آباد ۱ کراچی ۱۵

دینِ اسلام

اور اولین مسلمانوں کی

دو متضاد تصویریں

عقائدِ اہل سنت و عقائدِ فتنہ اثنا عشریہ کا تقابلی مطالعہ

سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے علو شان، بعثتِ عظمیٰ کے مقاصد و نتائج! انسان کی فطری صلاحیت و اصلاح پذیری کی رو سے اور غیر جانبدار تاریخ کی شہادت کی روشنی میں کون سی تصویر اصلاحی و تربیتی کام کرنے والوں کے لئے، حوصلہ افزا و بہت آفریں اور ایک صاحبِ انصاف کے لئے قابلِ قبول اور مطابق مطالعہ ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

حاجی عارفین کیڈمی

۱۔ کے ۳ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ۱۔ کراچی ۱۵

پاکستان میں جملہ حقوق طباعت و اشاعت
بمقتضیٰ رضی اللہ عنہ محفوظ ہیں۔

نام کتاب ————— دین اسلام اور اولین مسلمانوں کی دو متضاد تصویریں

تصنیف ————— مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

کتابت ————— ظہیر احمد کاکوروی

طابع ————— تشکیل پرنٹنگ پریس کراچی

صفحات ————— ۹۶ صفحات

ناشر

فضیلہ رجبہ ندوی

حاجہ عارفہ ایڈمز

۱۔ کے۔ ۳ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ۱ کراچی ۱۸

دینِ اسلام
اور اولین مسلمانوں کی

دو متضاد تصویریں

۱۔ اردو	تیسرا ایڈیشن	لکھنؤ۔ کراچی
۲۔ عربی	"	"
۳۔ انگریزی	"	"
۴۔ فارسی	"	"

سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ

يا أيها المفلحون

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ
رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا
بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ
آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (الحشر- ١٠)

فہرست عناوین

”دین اسلام اور اولین مسلمانوں کی دو متضاد تصویریں“

پیش لفظ

۵

عالمگیر اور دائمی دین کے لئے (جو اصلاح انسانیت اور انقلاب عالم کا علمبردار ہو) چار شرطیں

۹

عرفی و رواجی طریقوں اور وسائل کے بغیر معجزانہ آدم گری و مردم سازی

۹

خود پیغمبر کی زندگی میں دعوت کی کامیابی اس کے متبعین کی تبدیلی حال و انتظام ضروری

۱۲

خاندانی سلطنت کے قیام و عروج کے بارے میں پیغمبر کا بائیان سلطنت اور دنیا دار

۱۲

قائدین اور رہنماؤں سے کھلا امتیاز

۱۲

پیغمبر کا لایا ہوا آسمانی صحیفہ محفوظ، قابل فہم اور عام دسترس میں ہو

۱۴

نبی کی ذات ہی واحد مرکز ہدایت اور نہا تشارع و مطاع ہو

۱۶

اصلاح و تربیت اور قلب ماہیت کا سب سے بڑا پیغمبرانہ کارنامہ

۱۴

انسانی، عالمی مروج کی سب سے حسین تصویر

۱۸

خاک و نوری نہاد

۱۹

سیدنا علی مرتضیٰ اور صحابہ کرام

۲۲

صحابہ کرام و شیخین کے بارے میں غیر مسلم فضلاء اور مسند مغربی مؤرخین کی شہادتیں

۲۵

جلسہ بیدار میر علی کے بیانات

۲۸

سرورِ مسلمین کی شہادت

۲۹

حضرت عثمان غنی

۳۲

حضرت علی مرتضیٰ

۳۳

خلفاء کی زاہدانہ زندگی اور خاندان میں سے کسی کو جانشین نہ بنانا

۳۴

حضرت ابو بکر رضی کا زہد و ایثار اور احتیاط

۳۶

حضرت عمر رضی کا سرکاری دورہ، اور سفرِ شام

۳۸

خلفائے ثلاثہ کے ساتھ سیدنا علی مرتضیٰ کا تعاون

۳۹

صحابہ اور اہل بیت کے باہمی تعلقات

۴۲

مولانا حالی کے موعظے قلم سے عہد صحابہ کی دلکش تصویر

۴۵

فطرت انسانی کی اصلاح پذیری کی دلیل اور انسانیت کے لئے سرمایہ ناز

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی براہ راست تربیت یافتہ نسل، اور اسلام کے تالی عہد کی
۴۶ ————— وہ تاریک مکروہ تصویر جو فرقہ اثنا عشریہ پیش کرتا ہے
- ۴۸ ————— علامہ خمینی کے ارشادات
- ۵۱ ————— نواب محسن الملک کا بصیرت افروز تبصرہ
- ۵۳ ————— امام شعبیؒ کا قول
- ۵۳ ————— دنیا دار اور ناخدا ترس طالبین ریاست و حکومت پر قیاس
- ۵۴ ————— خاندان اور اہل قرابت کے بارے میں اسوۂ نبوی
- ۵۸ ————— خطرات میں آگے، منافع میں پیچھے
- ۶۰ ————— اسلام میں ذاتی سعی و صلاحیت پر نجات و ترقی کا انحصار
- ۶۲ ————— خلفاء کی ترتیب اور اہل بیت کے ساتھ خدا کا معاملہ عظیم حکمتوں پر مبنی تھا
- ۶۳ ————— قرآن کی صحت و محفوظیت پر نصوص قرآنی
- ۶۵ ————— غیر مسلم مورخین و فضلاء کی شہادتیں
- ۶۸ ————— قرآن مجید کے بارے میں فرقہ اثنا عشریہ کے عقائد و بیانات
- ۶۹ ————— قرآن مجید کے ساتھ بے اعتنائی
- ۷۰ ————— منکرین کے لئے حجت
- ۷۱ ————— ائمہ کی تعریف اور ان کے اوصاف "وحدت نبی" اور "ختم نبوت" کے منافی
- ۷۳ ————— قدیم ایران کے عقائد کا پرتو
- ۷۴ ————— امام غائب کا عقیدہ
- ۷۵ ————— ائمہ کے بارے میں علامہ خمینی کا مسلک و عقیدہ
- ۷۶ ————— حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ایک اہم مکاشفہ
- ۷۷ ————— ایک آفتاب عالم تاب، باقی سب تابندہ ذرات
- ۷۸ ————— حضرات شیعوہ کے یہاں مسبقیت و نعت میں آمد و آورد کا فرق
- ۸۰ ————— ائمہ اہل بیت کی توہین آمیز اور جوصلہ شکن تصویر
- ۸۲ ————— اہل بیت کی سیرت و کردار تاریخ کے آئینہ میں
- ۸۸ ————— اسلام اور مسلمانوں کے عہد اول کی دو متضاد تصویریں
- ۹۱ ————— آیت اللہ خمینی صاحب کی عقائد شیعوہ پر استقامت اور علانیہ اظہار و دعوت
- ۹۳ ————— خمینی صاحب کے حامیوں اور معتقدین کا عقیدہ سے صرف نظر
- ۹۴ ————— اسلام میں عقیدہ کی اہمیت اور اس سے صرف نظر کے خطرناک نتائج
- ۹۶ ————— سحر انگیزی کے نفسیاتی و سیاسی اسباب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده

زیر نظر کتاب کسی مخصوص دینی مسلک، نظام عقائد، یا کتب فکر کے اثبات و احقاق اور اس کے مخالف مسلک، عقیدہ یا فرقہ و جماعت کی تنقید و تردید کی کوئی منظر نامہ و مناظرہ کتاب نہیں ہے جو لوگ اس نظر سے اس کتاب کو پڑھیں گے اندیشہ ہے کہ ان کو بالویسی ہوگی، اس موضوع پر مختلف اسلامی زبانوں (بالخصوص عربی، فارسی، اردو میں) ایک وسیع و وسیع کتاب خانہ موجود ہے جس کا سرسری جائزہ لینا بھی آسان نہیں۔

اس کتاب میں اولین مسلمانوں اور تاریخ اسلام کے مثالی و معیاری عہد (عہد رسالت و عہد صحابہؓ) میں اسلامی تعلیمات کے اثرات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتی و تربیتی مساعی کے نتائج کا ایک ہلکا سا نقشہ پیش کیا گیا ہے دنیا کے دوسرے داعیوں، مرتبوں اور مصلحین سے آپ کا امتیاز دکھایا گیا ہے، پہلے اسلامی معاشرہ کی (جس کا وجود تنہا آپ کی دعوت و تربیت سے عمل میں آیا) معتبر تاریخ کی روشنی میں صورت حال سامنے رکھی گئی، آپ کے لائے ہوئے صحیفہ کی (جو خدا کی آخری کتاب اور انسانیت کے لئے دائمی دستور حیات ہے) صحت و حفاظت کے غیبی و الہی انتظام کو واضح کیا گیا ہے، بانیان سلطنت اور داعیان انقلاب کا اپنے خاندانوں کے بارے میں قدیم زمانہ سے جو طرز عمل رہا ہے، پیغمبر انسانیت کے طرز عمل کا اس سے بنیادی اختلاف دکھانے کی کوشش کی گئی ہے اور اس نقطہ نظر سے

خود خاندان نبوت کے روپیہ اور اس کے اخلاق کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔
ظہورِ اسلام سے قیامِ قیامت تک نبی کی "وحدت" و "خاتمیت" اور اس کے تہاتک
و مطاع ہونے کے بارے میں امت کے عقیدہ اور اس کی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔
پھر اہل سنت کے اس جماعی عقیدہ اور تسلسل و تواتر کے ساتھ ہم دین، حیاتِ نبوی،
عہدِ صحابہ و تاریخِ اسلام کی اس تعبیر و تصویر کے بالکل متوازی فرقہ، امامیہ اثنا عشریہ اپنے
اولین بانی سے لے کر علامہ خمینی تک (جو نقطہ نظر رکھتا ہے اور اس نے اس کو اپنے عقیدہ
عمل کی اساس اور اپنے فرقہ و جماعت کا شعار بنایا ہے اس کو خود اسی کے مستند نمائندوں
دینی پیشواؤں اور ان کی معتبر مسلم تصنیفات اور کتابوں کے الفاظ میں پیش کیا گیا ہے،
اور اس کا فیصلہ فطرتِ سلیم، ذوقِ صحیح اور عقلِ عام پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ ان میں سے
کون سی تعبیر و تصویر ایک ایسے پیغمبر کے تایانِ شان ہے جو قرآن کے اعلان اپنے یگانہ کمالات
نبوت کے تقاضہ و نتیجہ اور مسلم و غیر مسلم مؤرخین کے متفقہ بیان اور واقعات کی شہادت
کے مطابق سب کا میاب پیغمبر اور تاریخِ انسانی کا سب سے بڑا ہادی، مربی و مصلح گزر رہے،
اور پھر اس دین کے تایانِ شان ہے جو ہر دور اور ہر نسل میں انسانوں کو ہدایت و سعادت
محبت و اُلفت، ایثار و قربانی، اور انقلابِ حال کا پیغام دیتا ہے اور ان کو حیوانیت
کی آخری پستی سے اٹھا کر انسانیت کی آخری بلندی تک پہنچانے کی ذمہ داری لیتا ہے
انجیر میں مصف قارئین کے قلبِ سلیم سے یہ کہتے ہوئے رخصت ہوتا ہے! عی

خود تو مصف باش اے دلائن کو یا آن کو؟

الواکسن علی ندوی
مجلس تحقیقات و نشریات اسلام بکھنؤ

۱۹ صفر المظفر ۱۴۰۵ھ
۱۲ نومبر ۱۹۸۴ء

دین اسلام اور اولین مسلمانوں کی دو متضاد تصویریں

عقائد اہل سنت عقائدِ فرقہ اثنا عشریہ کا تقابلی مطالعہ

عالمگیر دائمی دین کے لئے (جو اصلاح انسانی و انقلابِ عالم کا علمبردار ہو) چار شرطیں

عقل سلیم کا فیصلہ، فطرت انسانی، اندازہٴ ادیان کی تاریخ کا وسیع اور بصرانہ مطالعہ، اقوام و ملل اور افراد انسانی کی نفسیات سے گہری واقفیت نیز تاریخ انسانی کی ان انقلابی و اصلاحی کوششوں اور تحریکوں کے نتائج کا بے لاگ جائزہ جن کی تاریخ محفوظ و معلوم ہے، سب اس حقیقت کو ثابت کرتے ہیں کہ ایک ایسے دین کے لئے چار صفت و خصوصیات کا حامل و جامع ہونا ضروری ہے، جو پوری نوع انسانی کو مخاطب کرتا اور اس کو صحیح اعتقاد و عمل، اعلیٰ اخلاق و کردار، بنیادی اصلاح و انقلاب کی دعوت دیتا ہو اور تمدن و معاشرہ انسانی کی نہایت تنظیم و شکل کا داعی اور مددگار ہو، وہ خدا کا آخری دین اور پیغام ہو، جس کو قیامت تک باقی رہنا ہو اور انسانوں کی تربیت و تعلیم کا فرض انجام دینا ہو، اور وہ کسی زمانہ اور مقام کے ساتھ مخصوص نہ ہو۔

عربی و رواجی طریقوں اور وسائل کے بغیر معجزانہ آدم گری و مردم سازی

۱۔ اس دین کے داعی اول اور پیغمبر کی تعلیم و تربیت اور صحبت میں ایسی تاثیر،

انقلاب انگیزی اور قلب ماہیت کی طاقت اور ایسی آدم گری و مروج سازی کی شان ہو کہ اس کے سامنے "پارس" اور "کیمیا" کی انجوبہ گری کا ذکر اس کی شان تاثیر کی توہین اور تاریخی حقائق سے ناواقفیت کی دلیل ہو، پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی اس انقلاب انگیزی اور تبدیلی حال میں ان وسائل اور طریقوں کا محتاج نہ ہو جن سے دنیا کے دانشور، معلمین اخلاق، ماہرین تعلیم، سیاسی قائدین، تعلیمی و تربیتی ادارے اور ذہین و دانشمند حکومتیں کام لیتی ہیں، مثلاً علوم و فنون کی ترتیب تدوین، مؤثر کتابیں اور سحرانگیز خطبات، مطالعہ اور دعوتِ فکر، ادبِ شاعری، اخلاق و معانی کی تمثیل و تجسیم، انعامات، عہدے اور مراتب وغیرہ وغیرہ، نیز ان دانشوروں، معلمین، قائدین اور اس پیغمبر کی تربیت و صحبت میں (جو اپنی دوسری بے سرو سامانیوں اور مکانِ زمان کی منفرد مشکلات کے ساتھ کتابی علم سے یکسر نا آشنا بلکہ حروفِ ناشناس، امی محض بھی ہے) ایسا فرق نظر آتا ہو جس سے صاف ظاہر ہوتا ہو کہ وہ تاثیر یا اثر، وہ انقلاب و تبدیلی اور یہ انقلاب و تبدیلی، دو علیحدہ اور متمیز جنس کی چیزیں ہیں اور دونوں کا سرچشمہ بالکل الگ ہے، پیغمبر کی انقلاب انگیزی اور کردار سازی میں ارادۃ الہی، غیبی تائید اور ایک ایسا فرق دیکھنے والوں کو صاف نظر آتا ہے جس کو "نور نبوت" اور "برکت صحبت" کے علاوہ کسی اور لفظ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا، پیغمبر کے تربیت کردہ و صحبت یافتہ لوگوں میں تعلق مع اللہ، اخلاص، عبودیت و تواضع، ایتبار و بے نفسی، ذوقِ عبادت، تحقیر دنیا، فکرِ آخرت، احتسابِ نفس اور انتقامت کی وہ شان پائی جاتی ہے، جو فلاسفہ، دانشوروں، ماہرین تعلیم اور معلمین اخلاق کے تیار کئے ہوئے لوگوں میں عقلمندی ہے۔

اس پیغمبر نے تربیت و تاثیر اور انقلاب انگیزی کی قرآن مجید کی اس آیت میں پوری تصویر کھینچ دی گئی ہے جو قرآن مجید میں کہی جگہ تھوڑے فرق کے ساتھ آئی ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ
وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انھیں

رُسُلًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ
میں سے (محمدؐ) پیغمبر بنا کر بھیجا جو ان کے

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ
سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو

وَالْحِكْمَةَ قَوْمًا كَالَّذِينَ قَبْلُ
پاک کرتے اور انھیں (خدا کی) کتاب

لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝
اور دانائی سکھاتے ہیں اور اس سے

پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔
(سورۃ الحجۃ - ۲)

نیز آیت قرآنی :-

وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ
لیکن خدا نے تم کو ایمان عزیز بنا دیا

وَزَيَّنَّ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ
اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا،

الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ
اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو

بِزَارٍ كَرِهْتُمُوهُ
بیزار کر دیا۔
(سورۃ الحجرات - ۷)

اسی طرح آیت قرآنی :-

فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ
اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین

وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالزَّمَمَهُمْ كَلِمَةً
نازل فرمائی اور ان کو پرہیزگاری کی بات

الَّتِي هِيَ الْحَقُّ بِهَا
پر قائم رکھا، اور وہ اسی کے مستحق اور

قَاهَلَهَا ۝ (سورۃ الفتح - ۲۶)
اہل تھے۔

اے صحابہ کرام کے بارے میں قرآن مجید کی شہادتوں اور ان کے اُن فضائل کے لئے جو نص قرآنی سے ثابت ہیں

ملاحظہ ہو آیات ثبوتیات حصہ اول ص ۱۱-۱۳

خود پیغمبر کی زندگی میں دعوت کی کامیابی اس کے تبعین کی تبدیلی حال و استقامت ضروری ہے۔
 پیغمبر کی زندگی میں ہدایت و تاثیر کی یہ اعجاز نمائی، اعتقادی و اخلاقی
 انقلاب انگیزی اور بڑی تعداد میں ایسے چلتے پھرتے دنیا کا کام کرتے انسانی نمونوں کا
 پیدا کر دینا جن پر فرشتے بھی رشک کریں اور جن کو دیکھ کر ملک کے ملک مسلمان ہو جائیں
 اور ایک ایسا مکمل زندہ معاشرہ وجود میں آئے جو ہر طرح سے مثالی اور معیاری کہلایا
 جاسکے، اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ دین و دعوت ہرگز کامیاب نہیں کہلائے جاسکتے
 جو اپنے داعی اول اور حامل پیغام کی زندگی میں دنیا کے سامنے معتد بہ تعداد میں کوئی
 موثر و کامیاب عملی نمونہ اور مثالی معاشرہ نہ پیش کر سکیں اور وہ درخت ہرگز بائٹرا اور
 شاداب نہیں کہا جاسکتا جو اپنی جوانی اور موسم بہار (عہد نبوت) میں شیریں پھل
 نہیں دے سکا اور عطر بیز شگوفے نہیں کھلا سکا، زمانہ نبوت گذر جانے کے بعد
 اس دین و دعوت کے نمائندوں اور داعیوں کا منہ نہیں ہے کہ فرور زمانہ کے بعد اپنی
 معاصر نسل اور ہم عصر دنیا کو ایمان و عمل، خود سپردگی اور مکمل تبدیلی کی دعوت دے سکیں
 جبکہ وہ اس کے ابتدائی و اولین عہد کی کوششوں کا کوئی ناقابل انکار اور اثر انگیز
 کامیاب نتیجہ نہیں پیش کر سکے۔

خاندانی سلطنت کے قیام و عروج کے بارے میں پیغمبر کا بیان

سلطنت اور دنیا دار قائدین اور رہنماؤں سے کھلا امتیاز

۱۲۔ اس داعی دین، مرسل من اللہ اور حامل رسالت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ

وہ بانیانِ سلطنت، فاتحین و کشورگشاؤں، سیاسی قائدین و رہنماؤں سے اپنے مزاج و مذاق، کردار و عمل اور مقاصد و نتائج میں نہ صرف کھلا امتیاز رکھتا ہو، بلکہ اس میں اور اس گروہ میں بین تباہی اور تضاد پایا جاتا ہو، بانیانِ سلطنت، فاتحین ممالک، دنیا کے حوصلہ مند اور طالع آزمایہ رہنماؤں کی کوششوں کا محور اور جدوجہد کا مقصدِ اعلیٰ یا کم سے کم قدرتی و لازمی نتیجہ خاندانی سلطنت کا قیام اور موروثی حکومت کی تاسیس ہوتی ہے اور یہ سلسلہ (جیسے کہ رومی، بابر، لطفعلی، سامانی، کیانی، سلاجقہ، اور خاندانِ سلجوقی اور خاندانوں کے عروج و اقبال کی تاریخ بتاتی ہے) صدیوں تک چلتا ہے، اگر کسی غیر معمولی سبب کی وجہ سے یہ نہیں ہو سکتا تو کم سے کم درجہ یہ ہے کہ ان بانیانِ سلطنت اور فاتحین کشورگشاؤں اور ان سیاسی رہنماؤں کے (جو اپنی تحریک میں کامیاب ہوئے) خاندان، فراوان دولت اور وسیع اسبابِ عیش و عشرت کے مالک بن جاتے ہیں، وہ اردو مثل کے مطابق ”دودھوں نہاتے اور پوتوں پھلتے ہیں“ اور سونے اور چاندی کے جھولوں میں جھولتے ہیں، گویا جنگل میں ایک شیر شکار کرتا ہے اور سیکڑوں جانور کھاتے ہیں، رومۃ الکبریٰ اور تخت کیانی کے اورنگ نشینوں کے خاندانوں نے جو دادِ عیش و عشرت دی وہ ایسے الف لیلائی قصے ہیں، جن کے سچھے اگر تاریخی شہادتیں نہ ہوتیں تو ناقابل یقین تھے، کچھ اندازہ ایوانِ کسریٰ کے شان و شکوہ، فرش بہار کی بحیر العقول تفصیلاً

لے ایران بہ عہد ساسانیان از پروفیسر آرٹھر کریسٹنسن (PROF. ARTHUR CHRISTENSEN)

کتاب نم ”آخری شاندار عہد“ نیز تاریخ ایران (از شاہین مکاریوس) ص ۹

۱۱ ملاحظہ ہو تاریخ اسلام مولوی عبدالحکیم شریف جلد ۱ ص ۳۵۷ ماخوذ از تاریخ طبری وغیرہ۔

اور روم و ایران و ہندوستان کے شاہی خاندانوں اور ان کے متوسلین کی طرز زندگی اور معاشرت سے ہو سکتا ہے۔

اس کے برخلاف خدا کا پیغمبر نہ کسی خاندانی سلطنت کی بنیاد رکھتا ہے نہ اپنے خاندان کے مفادات کا تحفظ اور ان کے لئے عرصہ دراز تک عیش و عشرت کے امکانات و مواقع کا انتظام کر جاتا ہے، جن کی بدولت وہ امت کے دوسرے طبقات کے مقابلہ میں زیادہ مرفہ الحالی اور فارغ البالی کی زندگی گزار سکیں، بلکہ اس کا معاملہ ان کے ساتھ برعکس ہوتا ہے، اور وہ اس کی زندگی میں بھی دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ زہد و قناعت، ایثار و قربانی اور عسرت و جفاکشی کی زندگی گزارتے ہیں، اور اس کے بعد ان کو اپنی ذاتی صلاحیتوں اور جدوجہد پر اعتماد کرنا پڑتا ہے، اور وہ برہمنوں اور پُروہتوں یا کسی مقدس نسل و خاندان کی طرح مفت خور اور تن آسان نہیں رہ سکتے۔

پیغمبر کالا یا ہوا آسمانی صحیفہ محفوظ، قابل فہم اور عام دسترس میں ہو

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ خدا کے اس پیغمبر پر جو آسمانی صحیفہ نازل ہوا ہو، اور جو اس کے دین کی اساس، اس کی دعوت و تعلیمات کا سرچشمہ، مخلوق کو خالق سے مربوط کرنے اور مربوط رکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ، اپنے ماننے والوں میں سچی روحانیت پیدا کرنے کا طاقتور وسیلہ، عقائد یا مخصوص عقیدہ توحید کا قیامت تک کے لئے شارج، مبسٹن اور محافظ اور انسانیت کے لئے کتاب ہدایت ہو، اس کی حفاظت کا ذمہ خدا نے

۱۔ تفصیل آئندہ سطور میں آئے گی۔

لیا ہو، اور اس کے اپنے ایک ایک حروف و نقطہ کے ساتھ محفوظ، قابل فہم ہونے
 اور کثرت تلاوت و قراءت اور حفظ و استحضار کا انتظام قدرتِ خداوندی نے
 اس طرح کیا ہو کہ اس کی دنیا میں کوئی دوسری مثال نہ ملتی ہو، اس لئے کہ وہ خدا کی
 آخری کتاب اور انسانیت کے لئے سفینۂ نجات ہے، وہ انسانی دست برد،
 تغیر و تبدل، حذف و اضافہ اور تحریف کے ادنیٰ شائبہ سے محفوظ ہو، اس لئے کہ
 اس کے بغیر نہ ہر زمانہ میں اس کی دعوت دی جاسکتی ہے نہ سند کے طور پر اس کو
 پیش کیا جاسکتا ہے نہ اس سے فائدہ اٹھایا اور پہنچایا جاسکتا ہے، عہدِ قدیم
 اور عہدِ جدید کی کتابوں (تورات، انجیل) اور صحفِ سماویہ کی تاریخ بتاتی ہے،
 کہ وہ کس طرح ظالم حملہ آوروں اور دشمنانِ مذہب کے دست برد اور غارتگری کا
 شکار، دنیا پرست و ناخدا ترس مذہبی پیشواؤں کی تحریف لفظی و معنوی کا نشانہ
 اور انسانی تغافل اور اغراضِ دنیویہ کا میدان ہے اور یہ فرق اس وجہ سے ہے کہ
 ان کی حفاظت انھیں کے تبعین کے ذمہ رہی "بِمَا اسْتَحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ
 فَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ" (کیونکہ وہ کتابِ خدا کے نگہبان مقرر کئے گئے تھے، اور اس پر
 گواہ تھے) (یعنی حکم الہی کا یقین رکھتے تھے) اور قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لیا ہے، "إِنَّا نَحْنُ
 نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ" (بیشک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے)

اہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر سید نواب علی صاحب کی فاضلانہ کتاب "تاریخ صحف سماوی"

اور راقم سطور کی کتاب "منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین" مضمون "پہلے آسمانی

صحیفے اور قرآن، علم و تاریخ کی میزان میں" ص ۲۲۳-۲۲۴ ۵۲ سورۃ المائدہ - ۴۴

۳ قرآن مجید کی محفوظیت کے بارے میں غیر مسلموں کی شہادتیں آگے آئیں گی۔ ۵۷ سورۃ الحجر - ۹

اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

نبی کی ذات ہی واحد مرکزِ ہدایت اور نہایت شائع و مطاع ہو

۴۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ نبی کی ذات ہی مرکزِ ہدایت، سرِ حتمیہ قیادت اور امت کی قلبی وابستگی اور ذہنی سپردگی کا محور ہو، اگر خالق کائنات کے بارے میں "توحید" کا عقیدہ ضروری ہے تو نبی کے ساتھ اطاعت، عقیدت و محبت اور اس کے "داناے سبل ختم الرسل، مولاے کل" ہونے کے سلسلہ میں امت کے اندر "وحدت" ضروری ہے اور اگر "شُرک فی الالوہیت" کے مقابلہ میں ہم "شُرک فی النبوة" کی تعبیر پسند نہ کریں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کے علاوہ امت کی کسی دوسری ہستی کو (خواہ وہ اس سے کیسا ہی قُرب و اختصاص رکھتی ہو) معصوم، مفضل، اطاعت اور اس کو کسی طرح کی وحی کا مورد سمجھنا اگر شُرک فی النبوة نہیں ہے تو "مشاركة فی النبوة" ضرور ہے، امت کی وحدت اور اس کی شیرازہ بندی، اعتقاد و عملی انتشار سے حفاظت اور اس کی اندرونی طاقت، قوتِ ایمانی اور مرکزیت بہت کچھ ختم نبوت کے عقیدہ سے وابستہ ہے، اور "مشاركة فی النبوة" کا عقیدہ اس کے منافی ہے۔

اب ہم ایک ایک شرط کو لیتے ہیں اور معتبر تاریخ کی روشنی، مسلم اور غیر مسلم فضلاء

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب "منصب نبوت" کا آٹھواں خطبہ ختم نبوت، ص ۲۵۱-۲۸۵

۲۔ فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے یہاں امامت کا عقیدہ اور امام کی تعریف اور خصائص ختم نبوت کے

منافی اور مشاركة فی النبوة کے مراد و مفہوم تفصیل آگے آئے گی۔

مفکرین و مورخین کی شہادتوں اور واقعات کی مدد سے ہم اس کا حقیقت پسندانہ
معروضی جائزہ لیتے ہیں۔

اصلاح و تربیت اور قلب یا بہت کا سب سے بڑا پیغمبرانہ کارنامہ

”جہاں تک پہلی شرط کا تعلق ہے تو واقعہ یہ ہے کہ ہر نبوت نئے اپنے دور میں آدم گری
اور مردم سازی کا ایسا کارنامہ انجام دیا اور ایسے افراد تیار کئے جنہوں نے اس دنیا کو نئی زندگی
بخشتی اور زندگی کو (جو انسان کی خود فراموشی اور غلط اندیشی سے بے معنی ہو گئی تھی)
با معنی بنایا، نبوت کے ان کارناموں میں جو زندگی کی پیشانی پر درخشاں اور تاباں ہے
سب سے روشن کارنامہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کارنامہ ہے جس کی سب سے
زیادہ تفصیلات تاریخ میں محفوظ ہیں، مردم سازی اور آدم گری کے اس کام میں اللہ تعالیٰ
نے آپ کو جو کامیابی عطا فرمائی وہ آج تک کسی انسان کو حاصل نہیں ہوئی، آپ نے جس سطح
سے تعمیر انسانیت کا کام شروع کیا اس سطح سے کسی پیغمبر کسی مصلح اور کسی مرنی کو شروع
کرنے کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئی تھی، یہ وہ سطح تھی جہاں حیوانیت کی سرحد ختم
ہوتی تھی اور انسانیت کی سرحد شروع ہوتی تھی، اور جس سطح پر آپ نے اس کام کو پہنچایا
اس سطح تک کبھی کبھی تعمیر انسانیت کا کام نہیں پہنچا، جس طرح آپ نے انسانیت کی انتہائی
پستی سے کام شروع کیا اسی طرح انسانیت کی آخری بلندی تک اس کام کو پہنچایا۔

انسانی عالمی مرقع کی سب سے حسین تصویر

آپ کے تیار کئے ہوئے افراد میں سے ایک ایک نبوت کا شاہکار ہے، اور

نوع انسانی کے لئے باعثِ شرف و افتخار ہے، انسانیت کے مرقع میں بلکہ اس پوری کائنات میں پیروں کو چھوڑ کر اس سے زیادہ حسین و جمیل، اس سے زیادہ دلکش و دل آویز تصویر نہیں ملتی، جو ان کی زندگی میں نظر آتی ہے، ان کا پختہ لہجہ، ان کا گہرا علم، ان کا سچا دل، ان کی بے تکلف زندگی، ان کی بے نفسی، خداترسی، ان کی پاکبازی، پاکیزگی، ان کی شفقت و رافت، اور ان کی شجاعت و جلاوت، ان کا ذوقِ عبادت اور شوقِ شہادت، ان کی شہسواری اور ان کی شبِ زندہ داری، ان کی سیم و زر سے بے پروائی اور ان کی دنیا سے بے رغبتی، ان کا عدل، ان کا حسنِ انتظام دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، نبوت کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے جو انسانی افراد تیار کئے ان میں ایک ایک فرد ایسا تھا جو اگر تاریخ کی متواتر شہادتیں نہ ہوتیں، تو ایک شاعرانہ تخیل اور ایک فرضی افسانہ معلوم ہوتا، لیکن اب وہ ایک تاریخی حقیقت اور ایک مسلم الثبوت واقعہ ہے، جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

خاکِ و نوری نہاد

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ایک ایسا انسانی مجموعہ تھا، جس میں نبوت کے اعجاز نے متضاد انسانی کمالات پیدا کر دیئے تھے، علامہ اقبال کے الفاظ میں:

خاکِ و نوری نہاد، زبڈ مویٰ صفا ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل اس کی ادا دل فریب اس کی نگہ دل نوا

زرم دم گفتگو، گرم دم جستجو زرم ہو یا زرم ہو پاک دل پاکباز

اس کے زمانے عجیب، اس کے فضاں غریب عہد کہن کو دیا اس نے پیامِ رحیل

ساتی اربابِ وقتِ فارس میدانِ شوقِ باذہ ہے اس کا حقیقی تیغ ہے اس کی اہل
اب ہم اس کے بارے میں کچھ تاریخی شہادتیں اور بیانات نقل کرتے ہیں تاکہ معلوم
ہو کہ یہ محض عقیدت مندی پر مبنی یک طرفہ بیان نہیں ہے۔

سیدنا علی مرتضیٰ اور صحابہ کرام رضی

ہم اس سلسلہ کا آغاز سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے خطبات کے وقت اقتباسات
سے کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی کے بارے میں (جن کی ذات بعض مکاتبِ خیال اور
فروق کے یہاں موضوعِ بحث بن گئی ہے) ان کی شہادت و شہادتِ علی کے
مصدق اور ان کا بیان اہل بیت کرام کی صداقت اور بلاغت و فصاحتِ علوی
کا منظر ہے، یہ ملحوظ ہے کہ یہ بیان اپنے ان رفقاء کے متعلق ہے جو ان کی زندگی
میں سفرِ آخرت اختیار کر چکے اور اس وقت دنیا میں موجود نہیں تھے، یہ بیان صرف
چار جلیل القدر صحابہ اور رفقاء (سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد بن الاسود
عمار بن یاسر) کے متعلق نہیں ہو سکتا جن میں سے متعدد ان کی زندگی میں موجود اور
ان کے ہم رکاب ہیں، یہ اقتباسات آپ کے خطبات اور رسائل و فرامین کے (حضرت شیبہ کے نزدیک) معتبر و
منفق علیہ مجموعہ ”نیج البلاغۃ“ سے ماخوذ ہیں، جو شہرہ آفاق ہاشمی شیعہ ادیب و
شاعر ”الشریف الرضی“ (۳۵۹-۴۲۷ھ) کا جمع کیا ہوا ہے جو اپنے عہد سے
لے کر اس عہد تک مستند، متداول اور متبرک ہے اور جس کی شرح مشہور شیعہ عالم

۱۰ داوین کے درمیان کی عبارت مصنف کے رسالہ ”نبوت کا کارنامہ“ سے ماخوذ ہے مطبوعہ ”ذکر“ راپور
۱۱ حضرت عمار بن یاسر نے خلافتِ مرتضوی میں ۳۳ھ میں اور سلمان فارسی نے ۳۷ھ
میں وفات پائی، حضرت علی کی شہادت ۴۰ھ کا واقعہ ہے۔

و حکم ابن ابی الحدید (۵۸۶-۵۶۵ھ) نے بڑے شرح و بسط کے ساتھ لکھی ہے،
خطابت و بلاغت کے اس شکوہ اور کمال کی بناء پر جو حضرت امیر المؤمنین کا حصہ
ہے اور قارئین کو ہر طرح کے شک و شبہ سے دور رکھنے کے لئے ہم ایک طرف اصل
عبارت نقل کرتے ہیں دوسری طرف اس کا ترجمہ دیتے ہیں امیر المؤمنین فرماتے ہیں:-

لقد رأيت أصحاب محمد

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

صلى الله عليه وآله وسلم فما

وسلم کے اصحاب کی ایسی شان دیکھی ہے

أرى أهدأ يشبههم منكم لقد

کہ میں تم میں سے کسی کو ان کا مشابہ

كانوا يصيحون شُغْتًا عُبْرًا،

نہیں پاتا، وہ صبح اس حال میں نظر آتے

وقد باتوا سجدًا وقيامًا،

تھے کہ ان کے بال بکھرے ہوئے

يرأون بين يديهم و

غباراً لودہیں رات انھوں نے سجد

خدودهم، ويقفون على

اور قیام میں گزاری ہوتی، کبھی اپنی

مثل الحجر من ذكر معادهم!

پیشانیوں پر جھکے ہوتے تھے، کبھی اپنے

كأن بين أعينهم ركب المعزى

رخساروں پر قیامت کی یاد سے ایسے

من طول سجودهم! إذا ذكر الله

بے چین نظر آتے تھے، جیسے انگاروں

هملت أعينهم حتى تبل جبينهم

پر کھڑے ہوں ان کی پیشانی اکثر

ومادوا كما يبئد الشجر يوم الريح

و طول سجود سے ایسی سخت خشک

العاصف، خوفًا من العقاب

معلوم ہوتی تھی جیسے بکری کی ٹانگ،

ورجاءاً للثواب!

اللہ کا نام لیا جاتا تو ان کی آنکھیں

لہ نعم البلاغة تحقيق الدكتور صبحی الصالح استاذ الاسلاميات و فقه اللغة في كلية
الاداب بالجامعة اللبنانية، طبع دار الكتاب اللبناني - بيروت ۱۹۳۳

ایسی اشک بار ہو جاتیں کہ ان کے
گریبان اور دامن تر ہو جاتے اور وہ
اس طرح لرزتے ہوئے نظر آتے
جیسے تیز آندھی کے وقت درخت،
سزا کے خوف اور ثواب کی امید میں۔

دوسرے خطبہ میں فرماتے ہیں:-

وہ لوگ کہاں ہیں جن کو اسلام کی
دعوت دی گئی تو انھوں نے اس کو
قبول کیا قرآن پڑھا تو اس پر اچھی
طرح سے عمل کیا، جہاد کے لئے ان کو
جوش دلا یا گیا تو اس طرح اس کی طرف
بڑھے جیسے اونٹنیاں اپنے بچوں کی طرف
دور کر جاتی ہیں، انھوں نے تلواریں
بے نیام کر لیں، اور اطراف زمین میں
گروہ درگروہ ہو کر پروانہ وار بڑھے،
کوئی شہید ہو گیا کوئی بچا نہ ان کو
اپنے ساتھیوں کی زندگیوں کی مبارکباد
دی جاسکتی ہے، (اس لئے کہ وہ
شہادت کو نعمت سمجھتے ہیں) نہ دنیا سے

این القوم الذین دعوا الی
الاسلام فقبلوه، وقرأوا القرآن
فأملکوه، وھیجوا الی القتال
فولہوا ولہ اللقاح الی اولادہا
وسلبوا السیوف أنعمادہا،
واخذوا باطراف الأرض
رحفاً زحفاً وصفحاً بعضاً
ہلک و بعضاً نجا، لا یبشرون
بالأحیاء ولا یحزرون بالموتی،
مرہ العیون من البکاء، فمن
البطون من الصیام، ذیل
الشفاء من الدعاء صفر الأول
من السہر علی وجہہم

رضعت ہونے والے ساتھیوں پر ان کے

تعزیت کی جا سکتی ہے (کیونکہ وہ

ان پر رشک کرتے ہیں اور ان کو کامیاب

سمجھتے ہیں) ان کی آنکھیں فرط گریہ

سے سفید ہو گئیں، ان کے پیٹ روزوں

کی وجہ سے پیٹھ سے لگے ہوئے ہیں،

ان کے ہونٹ دعا سے خشک ہو رہے

ہیں، ان کے زنگ بے خوابی و شب بیداری

سے زرد ہیں، ان کے چہروں پر

اہل خشیت کی ادا سہی ہے۔

یہ میرے وہ بھائی ہیں جو دنیا سے

چلے گئے، ہم کو حق ہے کہ ہم میں ان سے

ملنے کی پیاس پیدا ہو اور ہم ان کی

جدائی پر ہاتھ ملیں۔

رضاشنخین کے بارے میں غیر مسلم فضلاء اور مستند مغربی مورخین کی شہادتیں

اس مبارک آغاز کے بعد ہم چند غیر مسلم فضلاء اور مستند مورخوں کی شہادتیں نقل

کرتے ہیں، مغربی فاضل کائناتی اپنی کتاب "سین اسلام" میں کہتا ہے:-

اے نفع البلاغة تحقيق الدكتور صبحي الصالح - ص ۱۶۷-۱۶۸

”یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی وراثت کے سچے نمائندے،
 مستقبل میں اسلام کے مبلغ، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خداریں لوگوں تک
 جو تعلیمات پہنچائی تھیں، اس کے امین تھے، رسول اللہ کی مسلسل قربت اور
 ان سے محبت نے ان لوگوں کو فکر و جذبات کے ایک ایسے عالم میں پہنچا دیا
 تھا، جس سے اعلیٰ اور متدن ماحول کسی نے دیکھا نہیں تھا۔

درحقیقت ان لوگوں میں ہر لحاظ سے بہترین تغیر ہوا تھا، اور بعد میں
 انھوں نے جنگ کے مواقع پر مشکل ترین حالات میں اس بات کی شہادت
 پیش کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصول و افکار کی تخم ریزی زرخیز زمین
 میں کی گئی تھی، جس سے بہترین صلاحیتوں کے انسان وجود میں آئے،
 یہ لوگ مقدس صحیفہ کے امین اور اس کے حافظ تھے، اور رسول اللہ سے
 جو لفظ یا حکم انھیں پہنچا تھا اس کے زبردست محافظ تھے۔

یہ تھے اسلام کے قابل احترام پیشرو جنھوں نے مسلم سوسائٹی کے اولین
 فقہاء، علماء اور محدثین کو جنم دیا۔

مشہور فرانسیسی مصنف ڈاکٹر لیسان (GUSTAVE LE BON) اپنی شہرہ آفاق

کتاب ”تدن عرب“ میں لکھتا ہے:-

”غرض یہ ہے کہ اس نئے دین کو بہترے مواقع درپیش تھے اور بے شک وہ
 اصحاب نبی کی خوش تدبیری تھی، جس نے انھیں ان مواقع پر کامیاب کیا،

اے CAETANI, ANNALI DELL' ISLAM, VOL. II P: 429 ماخوذ از

T. W. ARNOLD: PREACHING OF ISLAM, LONDON, (1925) P. 41-42

انہوں نے خلافت کے لئے ایسے ہی انتخاب کو انتخاب کیا جن کی ساری غرض

اشاعتِ دینِ محمدی تھی۔

مشہور انگریز مصنف گبن (EDWARD GIBBON) خلفائے راشدین کے متعلق

اپنی کتاب ”زوال و سقوطِ روم“ (DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE) میں لکھتا ہے:-

”پہلے چار خلفاء کے اطوار سنا اور ضرب المثل تھے، ان کی سرگرمی، دلہی

اخلاص کے ساتھ تھی، اور ثروت و اختیار پا کر بھی انہوں نے اپنی عمریں

ادائے فرائضِ اخلاقی اور مذہبی میں صرف کیں۔“

ڈاکٹر فلپ ہیٹی (DR. PHILIP HITTI) اپنی مشہور کتاب ”مختصر تاریخِ عرب“

(A SHORT HISTORY OF THE ARABS) میں لکھتا ہے:-

”ابوبکرؓ مدین کو مغلوب کرنے والے اور جزیرۃ العرب کو اسلام کے

جھنڈے کے نیچے بیٹھ کر نے والے، ایک سیدھی سادی زندگی گزارتے تھے جو متانت

و وقار سے بھری ہوئی تھی، وہ اپنی خلافت کی مختصر مدت کے پہلے چھ مہینے میں

روزانہ اپنی قیام گاہ ”سُخ“ سے جہاں وہ اپنے مختصر خاندان کے ساتھ ایک

معمولی سے مکان میں رہتے تھے، صبح اپنے دار الحکومت مدینہ کی طرف آتے تھے،

وہ حکومت سے کوئی تنخواہ نہیں لیتے تھے، اس لئے کہ اس وقت حکومت

کی کوئی آمدنی نہیں تھی، جو قابل ذکر ہو، وہ حکومت کے تمام کام مسجدِ نبویؐ

کے صحن میں بیٹھ کر انجام دیتے تھے۔

لے تمدنِ عرب ص ۱۳۴ ترجمہ شمس العلماء ڈاکٹر سید علی بلگرامی

باقی جہاں تک عمر کا تعلق ہے، ان کی زندگی ایک بدوسر دار کی طرح
ہر طرح کی شان و شوکت اور بڑائی کے مظاہرے سے دور تھی۔“

جسٹس سید امیر علی کے بیانات

سُنی فضلاء اور مصنفین کے بجائے ہم چند اقتباسات رائٹ آرمیل جسٹس
سید امیر علی کی کتاب (A SHORT HISTORY OF THE SARACENS) سے پیش
کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:-

”خلفائے راشدین کے زمانہ میں مسلمانوں کی جو سیاسی حالت تھی اگر اس کا
جائزہ لیا جائے تو جو منظر آنکھوں کے سامنے آتا ہے وہ ایک عوامی حکومت
کا ہے جس کا سربراہ ایک منتخب شدہ امیر تھا، جو محدود اختیار کا مالک تھا،
رئیس مملکت کے خصوصی اختیارات انتظامی اہتمامی امور کے دائرہ کے اندر
محصور تھے..... قانون سب کے لئے ایک تھا، امیر کے لئے بھی اور غریب کے لئے بھی“

سید امیر علی (۱۸۷۹ء - ۱۹۲۸ء) سادات کے ایک شیعہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جو خراسان سے
ناورشاہ کے ساتھ آیا، محسنیہ ہنگلی کالج کلکتہ میں انگریزی اور عربی کی تعلیم حاصل کی اور قانون کا
مطالعہ کیا، ۱۸۹۳ء میں بیرسٹری کی سند حاصل کی، ۱۹۰۲ء میں بنگال ہائی کورٹ سے بیگ دوش
ہوئے اور انگلستان میں مستقل سکونت اختیار کر لی، ۱۹۰۹ء میں لندن کی پریوی کونسل کی قانونی
کمیٹی کے پہلے ہندوستانی رکن منتخب ہوئے، ۱۹۲۸ء میں انتقال کیا، اسلامیات پر لکھنے والے
شاید کسی ہندوستانی مصنف کے پاس ایسا پُر زور قلم اور اس کو اہل زبان کی طرح انگریزی
پر ایسی قدرت ہو جتنی کہ سید امیر علی کو تھی، بقول مستشرق (OSBORN) ”کم ایسے اہل زبان
ہوں گے جو مصنف کے اسلوب کا مقابلہ کر سکیں“

صاحب اقتدار کے لئے بھی اور کھیت پر محنت و مشقت کرنے والے کے لئے بھی!

آگے لکھتے ہیں:-

”خلفائے راشدین نے جس سخت گیری سے اپنے آپ کو عوام کی بہبود کے لئے وقف کر رکھا تھا، اور جس انتہائی سادگی سے وہ زندگی بسر کرتے تھے، وہ ہادی اسلام کی مثال کی پوری پوری تقلید تھی، انھوں نے خدم و حشم اور ظاہری شان و شوکت کے بغیر محض اپنے حسن کردار اور سیرت کی مدد سے لوگوں کے دلوں پر حکومت کی!“

جہاں تک شیخین (خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق اور خلیفہ دوم حضرت عمر) کا تعلق ہے، سید امیر علی نے ان کے زاہدانہ طرز زندگی ان کی سادت شعاری اور ان کی خدمات اور احسانات کا پوری فراخ دلی اور زور قلم کے ساتھ اعتراف کیا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں:-

”عربوں میں کسی قبیلہ کی سرداری اور سربراہی موروثی نہیں ہوتی اس کا

انحصار انتخاب پر ہوتا ہے، عمومی حق رائے دہندگی کے اصول پر شدت سے

عمل کیا جاتا ہے، قبیلہ کے تمام افراد کی سردار کے انتخاب میں آواز ہوتی ہے،

انتخاب متوفی کے پسماندگان کے افراد زینہ میں سن و سال، بزرگی و تقدیم

(SENIORITY) کے اصول پر ہوتا ہے۔

اس قدیم قانون و روایت کی پیغمبر صاحب کے جانشین کے انتخاب میں بھی

اے ماخوذ از ”روح اسلام“ ترجمہ ”SPIRIT OF ISLAM“ مطبوعہ ادارہ ثقافت لاہور

صفحہ ۲۳۱-۲۳۲ ۲۵ روح اسلام ص ۲۳۳

پابندی کی گئی، چونکہ حالات کی نزاکت کسی تاخیر کی اجازت نہیں دیتی تھی، اس لئے ابوبکرؓ جو اپنی عمر اور اس حیثیت و مرتبہ کی بناء پر جوان کو مکہ میں صل تھا، اور وہ عربوں کے حساب اندازہ میں بڑا مرتبہ رکھتے تھے، بغیر کسی تاخیر کے خلیفہ یا پیغمبر کے جانشین منتخب ہوئے۔

ابوبکرؓ اپنی دانشمندی اعتدال کی وجہ سے امتیاز خاص کے مالک تھے، ان کے انتخاب کو حضرت علیؓ اور خاندان نبوت نے اپنی روایتی خلوص اور اسلام کے ساتھ وفاداری اور دلی وابستگی کی بناء پر تسلیم کیا۔ آگے چل کر حضرت عمرؓ کے متعلق لکھتے ہیں:-

”حضرت ابوبکرؓ کا مختصر دور خلافت رگینانی قبیلوں میں امن قائم کرنے ہی میں صرف ہو گیا، انھیں صوبوں کی باقاعدہ تنظیم کی مہلت نہ ملی، لیکن جب حضرت عمرؓ جو صحیح معنوں میں ایک عظیم انسان تھے، مسند خلافت پر بیٹھے تو اس وقت محکوم قوموں کی فلاح و بہبود کے بارے میں انتھک کوششوں کا وہ سلسلہ شروع ہوا جو ابتدائی مسلم حکومتوں کا طرہ امتیاز ہے۔“

حضرت عمرؓ کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”حضرت عمرؓ کی جانشینی اسلام کے لئے بڑی قدر و قیمت کی حامل تھی، وہ اخلاقی طور پر ایک مضبوط طبیعت و سیرت کے آدمی، انصاف کے بارے میں بڑے با اصول اور حساس، بڑی قوت عمل اور سیرت کی پختگی کے آدمی تھے۔“

۱۷ "A SHORT HISTORY OF THE SARACENS" P. 21 لے روح اسلام ص ۴۳

۱۸ "A SHORT HISTORY OF THE SARACENS" P. 27 لے

حضرت عمرؓ کی وفات اسلام کے لئے ایک بڑا سانحہ اور خسارہ تھا، سخت
لیکن منصف، دور بین، اپنی قوم کی سیرت و مزاج کا بڑا وسیع تجربہ رکھنے والے
ایک ایسی قوم کی قیادت کے لئے بڑے موزوں تھے جو بے آئینی کی خوگر تھی، اپنے
مضبوط ہاتھ میں تازیانہ رکھتے ہوئے خانہ بدوش قبائل اور ان نیم وحشی
لوگوں کے قدرتی رجحانات کو انھوں نے قابو میں رکھا اور ان کو اس وقت
اخلاقی گراؤ سے بچا لیا جب ترقی یافتہ شہروں کے عیش و عشرت اور
وسائل راحت اور مفتوحہ ملکوں کی دولت سے ان کا سابقہ پڑ رہا تھا۔۔۔
..... وہ اپنی رعیت کے ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کے دسترس میں تھے، رات
میں لوگوں کی حالت معلوم کرنے کے لئے بغیر کسی محافظ یا مصاحب کے گشت
کرتے، یہ اس شخص کی حالت تھی جو اپنے عہد کا سب سے طاقتور حکمراں تھا۔

سر ویلیئم میور کی شہادت

ان شہادتوں اور بیانات کو ہم سر ویلیئم میور (SIR WILLIAM MUIR) کی کتاب

”THE ANNALS OF EARLY CALIPHATE“ (ابتدائی خلافت کے وقائع) کے

ایک اقتباس پر ختم کرتے ہیں:-

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سے سلطنت اسلام میں بڑے

بڑے شخص عمر رضی اللہ عنہ، کیونکہ انھیں کی دانائی، استقلال کا ثمرہ تھا کہ اس

دس سال کی مدت میں شام، مصر، فارس کے علاقے جن پر اس وقت سے

اسلام کا قبضہ رہا ہے، تسخیر ہو گئے، مگر باوجود ایسی عظیم الشان
سلطنت کے فرمانروا ہونے کے آپ کو کبھی اپنے فیصلہ فرست اور منیت
کی میزان میں پانگ رکھنے کی ضرورت نہیں ہوئی، آپ نے سردار عرب کے
سادہ اور معمولی لقب سے کسی زیادہ عظیم الشان لقب کے ساتھ اپنے آپ کو
ملقب نہیں کیا، دُور دراز صوبوں سے لوگ آتے اور جد نبوی کے صحن کے
چاروں طرف نظر دوڑا کر استفسار کرتے کہ خلیفہ کہاں ہیں؟ حالانکہ شہنشاہ
یعنی خلیفہ سادہ لباس میں ان کے سامنے بیٹھے ہوتے تھے!

حضرت عثمان غنی رضی

مستند تاریخ کی شہادت ہے کہ خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی
زندگی بھی سادہ اور زاہدانہ تھی، وہ باہر سے آنے والے وفود اور خلافت کے مہازوں
کو پرتکلف کھانا کھلاتے تھے، لیکن ان کو گھر میں روغن زیتون یا سرکہ کے ساتھ
روٹی کھاتے دیکھا گیا ہے، صائم الدہر تھے، خدام کے باوجود اپنا کام اپنے ہاتھ
سے کرتے تھے، رات کو کسی ملازم کو جگاتے نہیں تھے، فرماتے تھے کہ رات ان کی ہے۔
ان کا ایک غلام تھا، انھوں نے اس کے کبھی کان کھینچے تھے، اپنے ہم خلافت
میں اس سے کہا کہ تم مجھ سے قصاص لے لو، اس نے ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا،
حضرت عثمان نے کہا، اچھی طرح سے بدلہ لے لو، دنیا میں بدلہ ہو جائے، آخرت میں

لہ ترجمہ ماخوذ از آیات بیئات“ از نواب محسن الملک ص ۲۰-۲۱ (مطبع مصطفائی ۱۳۱۵ھ)

۲۰ روایت شریح بن مسلم بندر صحیح حلیۃ الاولیاء ابی نعیم۔

حساب باقی نہ رہے، عبد الملک بن شداد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو اپنے
 عہد خلافت میں جمہ کے دن منبر پر دیکھا، ان کے جسم پر ایک موٹی عدنی چادر تھی،
 جس کی قیمت چار یا پانچ درہم ہوتی تھی، حسن بصریؒ راوی ہیں کہ میں نے حضرت
 عثمانؓ کو دیکھا کہ وہ مسجد میں دوپہر کو آرام کر رہے ہیں، کھڑے ہوتے ہیں تو ان کے
 پہلو پر کنگریوں کا نشان نظر آتا ہے اور لوگوں میں چرچاہے کہ یہ امیر المؤمنینؓ ہیں،
 منبر پر بیٹھ کر بازار کے نرخ وغیرہ دریافت کرتے تھے، مسلمانوں کے معاملات کا
 ان کو بڑا اہتمام تھا، موسیٰ بن طلحہ راوی ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا
 منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں، مؤذن اقامت کہہ رہا ہے اور وہ لوگوں سے ان کے حالات
 اور سفر کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں، ان کے ایشار و قربانی کا سب سے بڑا نبوت
 یہ ہے کہ انھوں نے ان باغیوں سے جو مصر سے آکر ان پر حملہ آور ہوئے تھے، طاقت
 موجود ہونے کے باوجود لڑنا اور کسی مسلمان کا خون بہانا پسند نہیں کیا اور اسی حال
 میں قرآن مجید پڑھتے ہوئے، جان دی، اسی کے ساتھ خلافت سے دستبردار
 ہونا بھی گوارا نہیں کیا جس کو وہ مسلمانوں کی امانت اور احادیث اور اشارات
 نبویؐ کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشا سمجھتے تھے۔

خلافت عثمانی میں جو بارہ سال کے عرصہ پر محیط ہے ایسی عظیم الشان فتوحات
 حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ہوئیں جن کی نظیر اس سے پیشتر کی تاریخ میں نہیں ملتی،

۱۔ الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ (المحب الطبری) جلد ۲ ص ۱۱۱

۲۔ حلیۃ الاولیاء (ابی نعیم) جلد ۶ ص ۱۱۶

۳۔ ماخوذ از کتب تاریخ الخلفاء (سیوطی) البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) وغیرہ۔

..... اس زمانہ میں اسلامی مملکت کے دائرہ میں بڑی وسعت ہوئی، اس کے حدود
 سندھ سے لے کر اندلس (اسپین) تک جا پہنچے، اسلامی افواج نے اس عہد میں
 بڑی جنگوں کے علاوہ بحری قوت کا بھی مظاہرہ کیا اور قبرص، رودس کے جزائر
 فتح کئے، ایک عظیم الشان بحری بیڑا تیار کیا گیا، حالانکہ اس سے پیشتر ان کے
 پاس ایک کشتی بھی نہ تھی، اسلامی فوج ۳۲ھ میں بنائے قسطنطنیہ (پاس فورس) تک
 جا پہنچی ۲۵ھ میں طرابلس الغرب (لیبیا) پر فوج کشی ہوئی اور دو ہی سال بعد
 تونس اتر اور مراکش کے علاقوں کو فتح کر لیا گیا، اسی سال عبدالستار بن نافع نے
 سمندر پار کر کے اندلس کا محاصرہ کیا، مسلمانوں کی فوجیں قفلس (رک بان) اور
 بحیرہ اسود کے کناروں تک جا پہنچیں ۳۳ھ میں خراسان اور طبرستان کی طرف
 پیش قدمی ہوئی، جو جان خراسان طبرستان فتح ہوا، عبدالستار نے مزید
 آگے جا کر سوات، کابل، سمجستان، نیشاپور اور اردگرد کے علاقوں کو مطیع بنا لیا
 طہارستان اور کرمان فتح ہوئے اور یوں کوہ قاف اور بحر خزر (قزوین) تک اسلامی
 حکومت وسیع ہو گئی، ان کے مبارک عہد میں مسلمانوں نے ہندوستان کی طرف بھی
 توجہ دی اور گجرات کے ساحلی علاقوں تک ان کے قدم جا پہنچے، ان کے عہدِ خلافت
 میں تہذیب و تمدن، صنعت و حرفت، تجارت و علوم فنون کو بھی ترقی ہوئی، دولت
 و ثروت اور فاریغ البالی کا دور دورہ ہوا۔

لے ان وسیع اور عظیم فتوحات کے نتیجے میں جس وسیع پیمانہ پر اسلام کی اشاعت ہوئی اور ملک کے
 ملک اور قوموں کی قومیں دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں، اس کا آسانی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے
 اور تاریخ سے اس کی شہادتیں ملتی ہیں۔

ان کی ایک اہم خدمت مسجد الحرام کی توسیع ہے جو ۱۹۲۶ء میں کی گئی، ۱۹۲۹ء میں انھوں نے مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع کرائی، بحری فتوحات کے سلسلہ میں بھی حکم دیا کہ مفتوحہ علاقوں میں مسجدیں تعمیر کی جائیں اور پرانی مساجد مزید وسیع کی جائیں، ان کا سب سے بڑا اور عظیم الشان کارنامہ عالم اسلام کو ایک مصحف اور ایک قرأت پر جمع کرنا تھا، قرآن مجید کو لکھوا کر تمام ممالک اسلامیہ میں شائع کرنا اور ایک ہی قرأت پر سارے ممالک اسلامیہ کو متحد کر دینا خلافت عثمانیہ کا مہتمم بالشان واقعہ ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ ارضی

جہاں تک خلیفہ چہارم سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی ذات گرامی کا تعلق ہے ان کے بارے میں سوائے خوارج کے کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہم یہاں ان کے ایک رفیق ضرار بن ضمیرہ کا ایک بیان پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جس میں انھوں نے حضرت معاویہؓ کی فرمائش و اصرار پر امیر المومنین کے بارے میں اپنی معلومات، مشاہدات و تاثرات پیش کئے، اور الفاظ میں تصویر کشی کی کوشش کی، اس سے یہ بھی اندازہ ہوگا کہ خلافت و حکومت میں بھی اس قدر سی جماعت کی کیا حالت تھی جو درگاہ نبوت اور مدرسہ ایمانی و قرآنی سے تیار ہو کر نکلی تھی۔

”ان کو دنیا اور اس کی بہار اور رونق سے وحشت ہوتی تھی اور رات اور

اس کی تاریکی میں دل بہتا تھا، آنکھیں پُراشک رہا کرتی تھیں، ایک لمبے فکر اور

سوچ میں رہا کرتے تھے، لباس وہ پسند آنا جو موٹا ہو، کھانا وہ دل کو بھانا جو موٹا

اور سادہ ہو، بالکل معمولی آدمی کی طرح رہتے، ہم میں ان میں کوئی فرق معلوم نہ ہوتا، جب ہم کچھ پوچھتے تو جواب دیتے، جب ہم آتے تو وہ سلام میں پہل کرتے، جب ہم بلاتے تو بے تکلف آجاتے، لیکن ان کے یہاں اس تقرب اور ہمارے اس قرب کے باوجود رعب و تباہی نہ تھا کہ ہم گفتگو نہ کر سکتے، اور خود چھپر کر بات نہ کر سکتے، دینداروں کی تعظیم کرتے تھے، اور مسکینوں سے محبت رکھتے تھے، طاقتور کو ان سے کسی غلط چیز کی امید نہ ہوتی، اور کمزور ان کے انصاف سے ناامید نہ ہوتا، بخدا میں نے ان کو بعض مواقع پر اس وقت دیکھا ہے کہ رات نے اپنے پردے ڈال دیئے تھے، اور تارے ڈھل گئے تھے، وہ اپنی محراب میں کھڑے تھے، دائرہ کھڑے ہوئے، مارگزیدہ کی طرح تڑپتے تھے، اور اس طرح روتے تھے کہ جیسے دل پر چوٹ لگی ہو، گویا میں سن رہا ہوں اور وہ کہہ رہے ہیں، اے دنیا! اے دنیا! کیا مجھ سے چھپر کرنے چلی ہے، اور مجھ پر تیری نظر ہے؟ اس کی امید نہ کرنا، کسی اور کو فریب دے، میں نے تجھ کو ایسا چھوڑا ہے کہ کبھی تیرا نام بھی نہ لوں گا، تیری عمر مختصر، تیری زندگی بے وقعت، اور تیرا خطرہ بہت ہے، ہائے سامان سفر کس قدر کم ہے، سفر کتنے دور کا ہے، راستہ کتنا وحشت ناک ہے!

خلفاء کی زاہدانہ زندگی اور خاندان میں سے کسی کو جانشین نہ بنانا

ان خلفاء کے اخلاص، لہیت، ان کی عظمت و انفرادیت کی کھلی ہوئی

ایک دلیل یہ تھی کہ انھوں نے مؤسسین سلطنت اور دورانہ پیش، بلند حوصلہ

حکمرانوں کی طرح نہ تو اس لیے پایاں دولت اور صدیوں کے اندوختہ سے جو سیلاب کی طرح فارس و روم سے امنڈتا ہوا چلا آ رہا تھا، کوئی فائدہ حاصل کیا اور عیش و عشرت کی نہ سہی فراغت و راحت کی زندگی گذاری، بلکہ اپنے مقتدری اور محبوب کے نقش قدم پر چل کر عشرت و تنگی اور زہد و ایثار کی زندگی گذاری، بلکہ وہ خلافت کے منصب پر متمکن ہونے سے پہلے زیادہ فارغ البال اور مطمئن تھے۔

دوسرے یہ کہ ان میں سے کسی نے اختیار کے باوجود اپنے بیٹے یا قریبے بن فرد خاندان کو اپنا جانشین نہیں بنایا، بلکہ بالعکس انھوں نے ان کو خلافت کی ذمہ داری سے الگ رہنے کی ہدایت اور مسلمانوں کو ان کو منتخب نہ کرنے کی وصیت کی، جس کی بناء پر (فطرت، جذبہ انسانی، اور صدیوں نہیں ہزاروں برس کی حکومتوں حکمرانوں کی روایات اور تجربوں کو سامنے رکھ کر) اس کے سوا کوئی نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ وہ سترنا پا اخلاص، تلہمیت ظاہر اور باطناً بے غرض و بے لوث تھے، اور ان کا خلافت کی ذمہ داری قبول کرنا محض رضائے الہی کی خاطر دین کی اشاعت و استحکام اور فتنوں و خطرات کے دروازے بند کرنے کے سوا کچھ نہ تھا ورنہ (جیسا کہ بعض مکاتب خیال کا خیال اور قول ہے) اگر انھوں نے خلافت اپنے ذاتی اغراض، جاہ طلبی اور مقصد براری کے لئے قبول کی تھی تو دنیا کا فائدہ اٹھائے بغیر اپنی عاقبت خراب کرنا، گناہ بے لذت کے سوا کچھ قرار نہیں پاتا اور یہ کسی ذی ہوش آدمی کا کام نہیں ہو سکتا کہ وہ "کوہ کندن کاہ بر آوردن" کے مراد ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کا زہد و ایثار اور احتیاط

ہم اس موقع پر ایک مثال حضرت ابو بکرؓ کی سیرت کی اور ایک حضرت عمرؓ کے

واقعہ کی دینے پر اکتفا کریں گے جس کے بعد ہر ایسا شخص جس کی عقل و ضمیر کو
تعصب نے مغلوب نہیں کیا وہ خود ہی فیصلہ کر سکتا ہے۔

عہد صدیقی کا مؤرخ لکھتا ہے :-

”ایک روز حضرت ابو بکر صدیق کی بیوی نے شیرینی کی فرمائش کی جو ادا کیا

میرے پاس کچھ نہیں! انھوں نے کہا کہ اجازت ہو تو میں خرچ روزمرہ میں سے

کچھ درہم بچا کر جمع کر لوں، فرمایا جمع کرو، کچھ روز میں چند پیسے جمع ہو گئے تو

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیئے کہ شیرینی لادو، پیسے لے کر کہا، معلوم ہوا کہ یہ خرچ

ضروری سے زیادہ ہیں، لہذا بیت المال کا حق ہے، چنانچہ وہ پیسے خزانہ

میں جمع کر دیئے، اور اسی قدر اپنا وظیفہ کم کر دیا۔“

حضرت حسنؓ راوی ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا آخری وقت ہوا تو فرمایا، عائشہؓ

وہ اونٹنی جس کا ہم دودھ پیتے تھے، اور وہ لگن جس میں ہم کھانا کھاتے تھے، اور وہ

چادر جو ہم استعمال کرتے تھے، یہ اس وقت کی بات ہے جب ہم مسلمانوں کا کام

کرتے تھے، جب میرا انتقال ہو جائے تو اس سب کو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا دینا، جب

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو انھوں نے وہ چیزیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج

دیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ابو بکر رضی اللہ عنہ تم پر خدا کی رحمت ہو تم نے اپنے بعد والے پر بڑا اچھا

ڈال دیا، یہی آتا ہے کہ جب آخر وقت ہوا تو فرمایا کہ میری فلاں زمین اس رقم کے معاوضہ

میں بیت المال کی طرف منتقل کر دی جائے، جو میں اپنی خلافت میں بیت المال

سے وصول کر چکا ہوں، ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے مال میں سے

آٹھ ہزار درہم لے کر بیت المال میں داخل کر دینا، اس لئے کہ اسی قدر مجھ پر صرف ہوئے تھے۔“

انتقال کے وقت فرمایا کہ ”یہ دونوں کپڑے جو میرے جسم پر ہیں ان کو دھو ڈالنا اور اسی میں مجھے کفن دینا، نئے کپڑے کی مرنے والے کے مقابلہ میں زندہ رہنے والے کو زیادہ ضرورت ہے۔“

حضرت عمرؓ کا سرکاری دورہ اور سفر شام

اب دوسری مثال حضرت عمرؓ کی پیش کی جاتی ہے، آپ نے بہت سی مملکتوں کے بادشاہوں اور بہت سی جمہوریتوں کے سربراہوں کے سرکاری دوروں کی روداد سنی ہوگی اور ان کے شاہانہ تزک و احتشام اور کرفر کا تماشہ دیکھا ہوگا، چھٹی صدی مسیحی کے سب سے بڑے طاقتور فرمانروا حضرت عمرؓ کے سرکاری دورہ (سفر شام) کی روداد مؤرخ کی زبان سے سنئے، مولانا شبلیؒ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”الفاروق“ میں ۱۶ھ کے سفر بیت المقدس کا حال بیان کرتے ہوئے مستند عربی تاریخوں کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

”ناظرین کو انتظار ہوگا کہ فاروق اعظمؓ کا سفر اور سفر بھی وہ جس سے دشمنوں پر اسلامی جلال کا رعب بٹھانا مقصود تھا، کس سرو سامان سے ہوگا؟ لیکن یہاں تقارہ و نوبت، خدم و حشم، لاؤ لشکر ایک طرف، معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا، سواری میں گھوڑا تھا، اور چند مہاجرین و انصار ساتھ تھے،

تاہم جہاں یہ آواز پہنچتی تھی کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے تمام کاراۃ
کیا ہے، زمین دہل جاتی تھی۔

جاہلیہ میں دیر تک قیام رہا اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی نہیں لکھا
گیا، معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کا ارادہ کیا گھوڑا
جو سواری میں تھا، اس کے ستم گھس کر تمام ہو گئے تھے، اور رک رک کر قدم
رکھتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ دیکھ کر اتر پڑے، لوگوں نے ترکہ کی نسل کا ایک عمدہ
گھوڑا حاضر کیا، گھوڑا شوخ اور چالاک تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سوار ہوئے تو
اکیل کرنے لگا، فرمایا کبخت یہ غرور کی چال تو نے کہاں سے سیکھی؟ یہ کہہ کر
اتر پڑے اور پیادہ پا چلے، بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابو عبیدہ
اور سرداران فوج استقبال کو آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لباس اور روسا
جس معمولی حیثیت کا تھا، اس کو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی
اپنے دل میں کیا کہیں گے، چنانچہ لوگوں نے ترکہ گھوڑا اور عمدہ قمیٹی پوشاک
حاضر کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام
کی عزت ہے اور ہمارے لئے یہی اس ہے۔“

دوسرے سفر شام ۱۸ھ کا حال بھی سن لیجئے :-

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کا قصد کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ کی حکومت
دی اور خود ایلہ کو روانہ ہوئے، یرقان کے غلام اور بہت سے صحابہ
ساتھ تھے، ایلہ کے قریب پہنچے تو کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام
کو دی، اور خود اس کے اونٹ پر سوار ہوئے، راہ میں جو لوگ دیکھتے تھے،

پوچھتے تھے کہ امیر المؤمنین کہاں ہیں؟ فرماتے تھے اے آگے، اسی حیثیت سے ایلہ میں آئے، یہاں دو ایک روز قیام کیا، گزی کا کرتہ جو زیب پہن تھا، کجاوہ کی رگڑ کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا، مرمت کے لئے ایلہ کے پادری کے حوالہ کیا اس نے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے اور اس کے ساتھ ایک نیا کرتہ تیار کر کے پیش کیا، حضرت عمرؓ نے اپنا کرتہ پہن لیا اور کہا اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔

خلفائے ثلاثہ کے ساتھ سیدنا علی رضی کا تعاون

سیدنا علی رضی نے خلفائے ثلاثہ بالخصوص شیخین کو اپنا پورا تعاون دیا، بہت نازک موقعوں پر ان کے صائب مشورے بڑے مفید اور قیمتی ثابت ہوئے، ان حضرات نے بھی آپ کے علم و فہم اور اصابتِ رائے کا بلند الفاظ میں اعتراف کیا ہے، حضرت ابو بکرؓ کی وفات اور حضرت عمرؓ کی شہادت پر آپ نے اپنے جذبات و تاثرات کا جس طرح اظہار کیا اس سے ان مخلصانہ تعلقاً کا پورا اظہار ہوتا ہے، یہ دونوں خطبے جن میں ان کا اسلوب بیان ان کی زبان اور ان کے ادبی و بلاغی خصوصیات پوری طرح نمایاں ہیں کتب تاریخ

میں دیکھے جاسکتے ہیں، یہاں طوالت کے خوف سے ان کو نقل نہیں کیا جاتا۔
حضرت عثمانؓ کے محاصرہ کے دوران پانی روک دیا گیا تھا، حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو پانی کی تین مشکیں بھیج دیں، ان کے لئے جانے کے سلسلہ میں بنی ہاشم کے

۱۔ الفاروق ج ۱ ص ۱۲۵-۱۲۵ واقعہ تفصیل سے علامہ ابن کثیر کی مستند تاریخ البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۵۵-۶۰ اور تاریخ طبری میں ملاحظہ ہو، ملاحظہ ہو "الریاض النضرۃ فی فضائل الحشرۃ" تالیف محمد بن طبری (م ۶۹۲ھ) مخطوطہ کتب خانہ ندوۃ العلماء، ۱۸۲۷ء ورق ۱۲۶، ۱۲۷ نیز ۱۸۸، ۱۸۹،
"سیرۃ الصدیق" اردو میں حضرت ابو بکرؓ کے متعلق حضرت علیؓ کا پورا خطبہ ترجمے کے ساتھ دیکھا جاسکتا ہے، ص ۱۲۵ تا ۱۵۱، نیز طبقات بن سعد ج ۳ ص ۳۷ (دار صادر بیروت)

کئی تعلق وارے زخمی ہوئے حضرت علی رضی عنہ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی عنہما سے کہا کہ اپنی تلواریں لے کر عثمان رضی عنہ کے دروازہ پر کھڑے ہو جاؤ اور کسی کو ان تک پہنچنے نہ دو۔

جب حضرت عثمان رضی عنہ پر باغیوں نے زغہ کیا اور ان کے مکان کا محاصرہ کر لیا تو حضرت علی رضی عنہ نے حضرت حسن اور اپنے آزاد کردہ غلام قنبر کو حضرت عثمان رضی عنہ کی حفاظت پر مامور کیا اس مدافعت میں حضرت حسن رضی عنہ بھی ہوئے سارا بدن خون سے رنگین ہو گیا، قنبر کے سر پر چوٹیں آئیں لیکن باغی اس دروازہ سے داخل نہ ہو سکے، جہاں حضرت حسن رضی عنہ کا پہرہ تھا، وہ دوسری دیوار پھانڈ کر اندر پہنچ گئے اور حضرت عثمان رضی عنہ کو بحالت تلاوت شہید کر دیا۔

صحابہ اور اہل بیت کے باہمی تعلقات

قرآن مجید نے صحابہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے "أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" (وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل) ان کی زندگی، ان کے آپس کے تعلقات، ان کا ایک دوسرے کے ساتھ سلوک، باہمی محبت، اکرام و احترام، پاسداری اور ادائے حقوق کے واقعات اس نص قرآنی کی تائید کرتے ہیں، اس کے خلاف جو بھی بیان کیا گیا ہے یا بیان کیا جائے، وہ قرآن کی تکذیب، تاریخ کی تغلیط اور تربیت نبوی صلعم کے بارے میں بدگمانی اور تشکیک کے مراد ہے، یہاں پر چند واقعات لکھے جاتے ہیں۔

بخاری کی روایت ہے عقبہ بن احارث کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی عنہ نے عصر کی نماز پڑھی، پھر باہر نکل کر ٹہلنے لگے، انھوں نے حضرت حسن رضی عنہ کو دیکھا کہ بچوں کے ساتھ

۱۔ ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۶، نیز مقدمہ انگریزی ترجمہ "بیچ البلاغۃ" (PEAK OF ELOQUENCE) از مسٹر عسکری جعفری ص ۶۱۔ ناشر: (ISLAMIC SEMINARY, U.S.A.) لے سورۃ الفتح - ۲۹

کھیل رہے ہیں، حضرت ابو بکرؓ نے ان کو اپنے کاندھے پر بٹھالیا اور کہا میرا باپ قربان
ہوایا یہ آنحضرتؐ سے مشابہ ہے علیؓ سے مشابہ نہیں، حضرت علیؓ ہنس رہے تھے، اور
ہنس رہے تھے یہ

حضرت حسینؓ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے مجھ سے کہا کہ تم ہمارے
پاس آئے اور بیٹھے نہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں گھر پر گیا اس وقت وہاں تخیلیہ
ہجرت ہاتھا، دروازہ پر ان کے فرزند عبداللہؓ انتظار میں بیٹھے تھے، میں یہ دیکھ کر واپس
چلا آیا، اس کے بعد جب ملاقات ہوئی تو فرمایا بیٹے تم ہمارے پاس آئے نہیں؟ میں نے
کہا میں آیا تھا، لیکن اس وقت تنہائی تھی، میں نے دیکھا کہ خود آپ کے فرزند عبداللہؓ اجازت
کے منتظر ہیں، میں واپس آ گیا، فرمایا کہ عبداللہؓ عمر کو اجازت ہوتی نہ ہوتی تم اندر آ سکتے
تھے، ہمارے دل و دماغ میں ایمان کی جو تخم ریزی ہوئی، وہ اللہ کا احسان ہے پھر تمہارا
گھرانے ہی کا فیض ہے، یہ کہہ کر شفقت سے میرے سر پر ہاتھ رکھا؛

ابن سعد حضرت جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں وہ حضرت محمد باقرؑ سے
وہ امام زین العابدینؑ سے کہ "ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس بن کے چلے آئے، حضرت
عمرؓ نے لوگوں میں تقسیم کر دیئے، وہ یہ پوشاک پہن کر مسجد نبویؐ میں آئے، آپ قبر شریف اور
منبر کے درمیان بیٹھے تھے، لوگ آتے تھے سلام کرتے تھے دعا دیتے تھے، اتنے میں حسینؓ و حسینؓ
اپنی والدہ کے مکان سے (جو مسجد ہی میں تھا) نکل کر آئے ان کے جسم پر کوئی ٹھلہ نہیں تھا،

۱۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۴ کتاب بدأ الخلق، باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۲۔ تراجم رجال ج ۱ ص ۵۱، الاصابہ جلد ۳ ص ۳۳۳ بند صحیح،

۳۔ اگر ایک ہی کپڑے کا پیمانہ اور قمیص ہو، اور کپڑا قیمتی ہو تو صلہ کہتے ہیں، یہ قدیم عربوں میں وہی درجہ رکھتا تھا
جو اس زمانہ میں سوٹ کلبے۔

حضرت عمرؓ افسردہ اور اس بیٹھے ہوئے تھے، لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا میں ان بچوں کی وجہ سے غموم ہوں کہ ان کے بدن کے مطابق کوئی حائل نہیں تھا، سب بڑی عمر والوں کے لئے تھے، پھر آپ نے یمن اپنے عامل (والی) کو لکھا کہ حسنؓ حسینؓ کے لئے دو حائل بچو اور جلدی کرو، اس نے دونوں کی پوٹا لکھیں بھیجیں، آپ نے ان دونوں کو پہنایا تب اطمینان ہوا۔

مولانا شبلیؒ "الفاروق" میں متعلقین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے پاس و لحاظ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:-

"حضرت عمرؓ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلق کا نہایت پاس کرتے تھے، جب صحابہ وغیرہ کے روزینے مقرر کرنے چاہے تو عید الرحمن بن عوفؓ وغیرہ کی رائے تھی کہ حضرت عمرؓ مقدم رکھے جائیں، لیکن حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور کہا کہ ترتیب مدارج میں سب سے مقدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلقاتِ قرب و بعد کا لحاظ ہے، چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ بنی ہاشم سے شروع کیا اور اس میں بھی حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے ناموں کے ابتداء کی اپنے قبیلہ بنی عدیہ کو پانچویں درجہ میں رکھا، چنانچہ اسی ترتیب سے سب کے نام لکھے گئے، تنخواہوں کی مقدار میں بھی اسی کا لحاظ رکھا، سب سے زیادہ تنخواہیں جن لوگوں کی تھیں وہ اصحاب بدر تھے، حضرت امام حسنؓ و حسینؓ علیہما السلام اگرچہ اس گروہ میں نہ تھے، لیکن ان کی تنخواہیں اسی حساب سے مقرر کیں۔"

اے کنز العمال ج، ص ۱۰۶ از ابن سعد

۲۵ "الفاروق" جلد دوم ص ۲۶۹ معارف پریس عظیم گڑھ (جو کہ کتاب الخراج از امام ابو یوسف ص ۲۴-۲۵)

”حضرت عمرؓ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علیؓ سے مشورہ کے بغیر کام نہیں کرتے تھے اور حضرت علیؓ بھی نہایت دوستانہ مخلصانہ مشورہ دیتے تھے، نہاوند کے معرکہ میں ان کو پہ سالار بھی بنانا چاہا تھا، لیکن انھوں نے منظور نہیں کیا، بیت المقدس گئے تو کاروبار خلافت انھیں کے ہاتھ میں ڈرے گئے اتحاد و یگانگت کا آخری مرتبہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ نے حضرت ام کلثومؓ کو جو فاطمہ زہرا کے لطن سے تھیں ان کے عقد میں دے دیا۔“

جہاں تک شیر خدا حضرت علیؓ کا تعلق ہے ان کا اپنی رضا و رغبت سے اپنی صاحبزادی ام کلثومؓ کو دوسری بیویوں کی موجودگی میں اس سن و سال میں حضرت عمرؓ کے عقد میں دینا، اور اپنے تین صاحبزادوں کے نام ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ رکھنا، اس الفت و محبت اور اعتماد کی واضح مثال ہے، ایسی اور مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں، لیکن ہم اختصاراً اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

مولانا حالی کے موعے قلم سے عہدِ صحابہؓ کی دلکش تصویر

ان خصوصیات کی بناء پر یہ پہلا اسلامی معاشرہ جس کی بنیاد صحبتِ نبویؐ، تربیتِ ایمانی اور تعلیماتِ قرآنی پر پڑی تھی، ایک بے خارا انسانی گلہ رستہ بن گیا، جس کا ہر کھوپل اور ہر پٹی اس کے لئے باعثِ زینت تھی، مختلف قبائل، مختلف خاندانوں

اے حضرت ام کلثومؓ کے ساتھ عقد کی بحث، اس کا ثبوت اور اس پر تاریخی، علمی و کلامی محاکمہ

نواب محسن الملک کی محرکہ الآراء کتاب ”آیات بینات“ (حصہ اول ۱۲۴-۱۶۴ مطبع مرزا پور ۱۸۷۶ء)

میں دیکھی جائے، لے العبقریات (از عباس محمود العقاد مصری) عبقریۃ الامام ۹۵۸

طبع دار الفتوح قاہرہ۔

اور مختلف جلیشیتوں کے افراد ایک خوش اسلوب متحد القلوب خاندان میں تبدیل ہو گئے، اور اسلام کی انقلاب انگیز تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معجزانہ صحبت نے ان کو شیر و شکر بنا دیا، اس موقع پر راقم سطور کے قلم سے خواجہ الطواف حسین حالی کی شہرہ آفاق مسدس کا ایک اقتباس نقل کئے بغیر رہا نہیں جاتا جس میں صحابہ کرام کے اس معاشرہ کی بولتی ہوئی تصویر پیش کی گئی ہے، یہ تصویر مبنی بر حقیقت ہونے کے ساتھ ایسی دلکش و دلآویز ہے کہ اس کو پوری نسل انسانی کے وسیع اور ضخیم مرقع میں پیغیروں کی سیرت و تاریخ کے بعد سب سے پہلی اور اونچی جگہ دینی چاہئے، مولانا حالی صحابہ کرامؓ اور خلافت راشدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۷

جہاں امت کو سب مل چکی حق کی نعمت ادا کر چکی فرض اپنا رسالت
 رہی حق یہ باقی نہ بندوں کی حجت نبیؐ نے کیا خلق سے قصد رحلت

تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑی

کہ دنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی

سب اسلام کے حکم بردار بندے سب اسلامیوں کے مدگار بندے
 خدا اور نبیؐ کے وفادار بندے یتیموں کے راندوں کے غمخوار بندے

رہ کفر و باطل سے بیزار سارے

نشہ میں مئے حق کے سرشار سارے

جہالت کی زمیں مٹا دینے والے کہانت کی بنیاد ڈھا دینے والے
 سر احکام دین پر چھکا دینے والے خدا کے لئے گھر ٹھا دینے والے

ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے

فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے

اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا تو بالکل مدار اس کا اخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں تھا خلاص آشتی سے خوش آئند تر تھا

یہ تھی موج پہلی اُس آزادی کی

ہر جس سے ہونے کو تھا باغِ گیتی

نہ کھانوں میں تھی ان تکلف کی کلفت نہ پوشش سے مقصود تھی زینت
امیر اور لشکر کی تھی ایک صورت فقیر اور غنی سب کی تھی ایک حالت

لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا

نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

خلیفہ تھے امت کے ایسے نگہیاں ہو گلہ کا جیسے نگہیاں چوپاں
سمجھتے تھے ذمی و مسلم کو یکساں نہ تھا بعد و حُر میں تفاوت نمایاں

کنیز اور بالو تھیں آپس میں ایسی

زمانہ میں ماں جانی بہنیں ہوں جیسی

رہ حق میں تھی دوڑا اور بھاگ ان کی فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ ان کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی

جہاں کر دیا نرم نرم ماگئے وہ

جہاں کر دیا گرم گرم ماگئے وہ

کفایت جہاں چاہئے واں کفایت سخاوت جہاں چاہئے واں سخاوت

جچی اور تلی دشمنی اور محبت نہ بے وجہ الفت نہ بے وجہ نفرت

جھکا حق سے جو جھک گئے اس سے وہ بھی

رکھا حق سے جو رک گئے اس سے وہ بھی

فطرت انسانی کی اصلاح پذیرمی کی دلیل اور انسانیت کے لئے سرمایہ ناز

قرآن مجید احادیث صحیحہ اور مستند تاریخ کی روشنی میں اسلامی معاشرہ کے جو خدو خال

اس کا جو سراپا اور نقشہ اور اس سے آگے بڑھ کر اس کا جو مزاج و مذاق سامنے آتا ہے

اس سے نہ صرف اولین مسلمانوں اور آغوش نبوت کے پروردہ اور در سگاہ نبوی

و قرآنی کے تربیت یافتہ لوگوں کی، بلکہ ایک ایسی بڑی تعداد میں افراد انسانی کی

ایک حسین اور دلکش تصویر سامنے آتی ہے جس سے بہت کم تعداد میں بھی اور صدیوں

کے فرق اور مکان و زمان کے تفاوت سے بھی کوئی ایسی معیاری اور مثالی جماعت

نظر نہیں آتی، اس سے انسانی فطرت کی خیر قبول کرنے کی صلاحیت اس کی ترقی،

پاکیزگی، بلند پروازی کے ایسے وسیع امکانات (جہاں تک انسانوں کی ذہانت

پہنچتی مشکل ہے) مخلص اور مؤیدین اللہ مصلحین و مرتبوں کی کوشش و محنت کی

کامیابی اور اس کے عمیق اور دیر پا اثرات کا روشن ثبوت ملتا ہے اور انسانیت کو خود اپنے

اوپر تاز کرنے اور ہر دور کے انسانوں کو فخر و مباہا کا حق حاصل ہوتا ہے کہ ان کی جنس اور

نوع میں ایسے بلند پایہ انسان پیدا ہوئے جن میں ہر ایک بقول اقبال ع

خاکی و نوری تھا، بندۂ مولیٰ صفت

کا مصداق تھا، اس سے فرد انسانی احساس کہتری، مردم بیزاری اور بالیوسی کے امراض سے شفا پاتا ہے، صحیح خطوط پر کام کرنے والوں کا حوصلہ بلند ہوتا ہے اور انبیاء مرسلین (صلوات اللہ علیہم) کی عمومیت کے ساتھ اور سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کی خصوصیت کے ساتھ عظمت و عزت راسخ ہوتی ہے آپ کی تعلیم و تربیت کے نتائج کو دیکھ کر ایمان بالغیب ایمان شہودی بن جاتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے بہت صحیح لکھا ہے کہ :-

”ان بشری لغزشوں اور کوتاہیوں کے باوجود جو انسانیت کا لازمہ ہیں، مجموعی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ افراد انسانی کا کوئی مجموعہ اور انسانوں کی کوئی نسل صحابہ کرامؓ سے بہتر سیرت و کردار کی نظر نہیں آئی، اگر ان کی زندگی میں کہیں کہیں کچھ ہلکے سے دھبے اور داغ نظر آتے ہیں تو اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے سفید کپڑے میں کہیں کچھ تھوڑی سی سیاہی نظر آجائے، عیب چینیوں کا تصور ہے کہ ان کو اس کپڑے میں سیاہی کا نقطہ تو نظر آیا اور اس کپڑے کی سفیدی نظر نہ آئی، دوسری جماعتوں کا تو حال یہ ہے کہ ان کا سارا نامہ اعمال سیاہ نظر آتا ہے کہیں کہیں سفیدی نظر آتی ہے“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی براہ راست تربیت یافتہ نسل و اسلام کے مثالی عہد کی وہ تاریک و مکروہ تصویر جو فرقہ اثنا عشریہ پیش کرتا ہے لیکن اس کے بالکل برخلاف اپنے کو مسلمان اور اسی نبی کی امت کہلانے

والوں کا ایک فرقہ (امامیہ اثنا عشریہ) اس معاشرہ اور عہد کی ایک دوسری تصویر
 پیش کرتا ہے، جو ایک طرف سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوششوں کی ایسی
 ناکامی اور صحبت و تربیت کی ایسی بے اثری کا اظہار کرتی ہے، جو شاید دنیا کے کسی
 ایسے مخلص مؤثر اور ماہر معلم و مربی کے حصہ میں بھی نہیں آئی، جو نہ مامور من اللہ تھا،
 نہ مؤید من السماء، نہ مورد وحی والطف الہی، نہ مالک اوصاف و کمالات متناہی
 بلکہ انسانوں کی زود فراموشی، طوطا پشمی، بے وفائی، حق پوشی، نفسانیت، حُب جاہ
 اور اپنے اغراض دنیہ کے لئے ہر طرح کی کوششوں، سازشوں، تحریفات، افتراءات
 سے کام لینے کو جائز سمجھنے کی ایسی مکروہ تصویر پیش کرتی ہے، جو نہ صرف اصلاحی
 و تربیتی کوششوں کے انجام سے بلکہ پوری انسانیت کی صلاحیت اس کی
 قسمت اور مستقبل سے مایوس کر دیتی ہے۔

ان کے نزدیک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیس سالہ کوششوں کا
 نتیجہ صرف تین ہستیاں (اور بعض روایات کے مطابق چار تھیں) جو آپ کی وفات
 کے بعد بھی اسلام پر قائم رہیں، باقی سب نے (معاذ اللہ) آپ کی آنکھ بند ہوتے ہی
 اسلام سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا اور آپ کی صحبت و تربیت کو دنیا کے سامنے ناکام
 ثابت کیا، فرقہ اثنا عشریہ کی معتبر کتاب جس کو وہ اصح الکتابات میں "الجامع الکافی"

لے سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تربیت و صحبت کی تاثیر اور انقلاب انگیزی
 کے تذکرہ میں ان کی امت کے ان افراد کی ہدایت و تاثیر کا ذکر کرنا (جن کو جو کچھ ملا وہ آپ ہی
 کے طفیل اور صدقہ میں ملا) ایک طرح کی بے ادبی اور بد ذوقی ہے، ورنہ یہاں مختلف عہد کے ان
 ادیبوں کے کرام اور ہادیان طریق کے ایسے واقعات بیان کئے جاتے، جن سے معلوم ہوتا کہ جن پر
 (باقی صفحہ پر)

کے آخری حصہ کتاب الروضۃ میں امام ابو جعفر (امام باقر) کا ارشاد نقل کیا گیا ہے۔

کان الناس علی ردّہ بعد النبی لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ارتداد اختیار کیا اس سے

الاثلاثۃ، فقلت ومن صرف تین آدمی مستثنیٰ ہیں، راوی کہتا

الثلثۃ؛ فقال، المقداد بن ہے، میں نے عرض کیا وہ تین کون ہیں؟

الأسود وأبوذر الغفاری فرمایا مقداد بن اسود، ابوذر غفاریؓ

وسلمان الفارسی رحمة اللہ وسلمان فارسی، الشکر کی رحمتیں اور

عليهم وبركاتہم برکتیں ان پر ہوں۔

علامہ خمینی کے ارشادات

ایران کے موجودہ داعی انقلاب اور مؤسس حکومت اسلامی

(باقی صفحہ ۲۷ کا) ان کی ایک بار نظر پڑ گئی وہ کندن بن گیا، سالہا سال کے جرائم پیشہ اور بدنام

زمانہ لوگوں نے اگر ایک بار ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا تو آخر دم تک وہ راسخ العقیدہ گناہوں سے

مُجْتَنِب اور متقی و پرہیزگار رہے، اگر کبھی کسی ایسے آدمی کا (جس کے سایہ سے لوگ بھاگتے تھے) اور اس کی

اصلاح سے ماپوس تھے) اتفاقاً بستر ایک رات ان کے بستر کے پاس رہا تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ عابد

و شب بیدار بن گیا اور عمر بھر اس کا یہی رنگ رہا، اس طرح کے واقعات عہد رسالت سے صدیوں بعد

تک ہندوستان جیسے دور دراز ملکوں میں پیش آتے رہے، اس کی مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو "سیرت اچھوتہ"

(۲-۱) "القول الجلی فی کرامات السید محمد علی" "کاروان ایمان و عزیمت" "جب ایمان

کی بہار آئی" وغیرہ لے فرورے کافی جلد سوم کتاب الروضۃ ص ۱۱۵ طبع لکھنؤ، ایک روایت کے

مطابق عمارین یا ستر بھی اسی فہرست میں ہیں۔

نائب امام غائب آیت اللہ شرح الشرحینی صاحب اپنی فارسی کتاب "کشف الاسرار" میں صحابہ کرامؓ کو ایسے اوصاف سے یاد کرتے ہیں جو ان کو پکا دنیا پرست، ناخدا ترس، جرمی و گستاخ، قرآن میں تحریف کرنے والا اور نتیجہ کافر ثابت کرتے ہیں، وہ کشف الاسرار میں لکھتے ہیں:-

وہ لوگ (صحابہؓ) جو سوائے دنیا اور	آنکہ ممکن بود در صورتیکہ امام را
حصول حکومت کے اسلام اور قرآن	در قرآن ثبت می کردند آنہا نیک
سے سروکار نہیں رکھتے تھے جنہوں نے	جز برائے دنیا و ریاست با اسلام
قرآن کو اپنی نیاتِ فاسدہ کی تکمیل کا	و قرآن سروکار نہ داشتند، و قرآن
محض وسیلہ بنایا تھا، ان کے لئے	را وسیلہ اجراء نیات فاسدہ خود
ان آیات کا (جو حضرت علیؓ کی خلافت	کرده بودند، آن آیات را از قرآن
بلا فصل اور ائمہ کی امامت پر دال	بردارند و کتاب آسمانی را تحریف
تھیں) قرآن مجید سے نکال دینا،	کنند و برائے ہمیشہ قرآن را از نظر
کتاب آسمانی کا تحریف کرنا اور	جہانیاں بنید از ندرتار و زقیان
ہمیشہ کے لئے قرآن کو دنیا والوں	این تنگ برائے مسلمانہا و قرآن
کی نگاہ سے اس طرح مستور بنا دینا کہ	آہا بماند و ہما عیبی را کہ مسلمانان
قیامت کے دن یہ تنگ عاز مسلمانوں	بکتاب یہود و نصاریٰ می گرفتند
اور قرآن کے حق میں باقی رہے آسان	عیناً برائے خود اینہا ثابت شود۔
تھا تحریف کا وہ عیب جو مسلمان	

یہود و نصاریٰ پر لگاتے ہیں، ان صحابہ پر ثابت ہے۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

فرض کیجئے اگر قرآن مجید میں امام کے نام کا تعین بھی کر دیا جاتا تو یہ نتیجہ کہاں سے نکالا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف واقع نہ ہوتا، وہ لوگ جنہوں نے ساہا سال سے حکومت و ریاست کی طمع میں اپنے کو پیغمبر کے دین کے ساتھ چپکار رکھا تھا اور اس کے لئے جماعت سازی او مدت سے ساز باز کر رہے تھے، ان کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ قرآن مجید کے فرمان کی وجہ سے اپنے مقصد سے دستبردار ہو جاتے، وہ ہر تدبیر سے اپنا کام نکالتے بلکہ شاید اس صورت میں مسلمانوں کے درمیان ایسا اختلاف پیدا ہوتا کہ دین کی بنیاد ہی منہدم

آنگہ فرضاً در قرآن اسم امام را ہم تعیین می کرد، از کجا کہ خلافت بین مسلمانها واقع نمی شد آنها نیکه ساہا در طمع ریاست خود را بدیں پیغمبر چسپانده بودند دستہ بند رہیا می کردند، ممکن نبود بگفتہ قرآن از کار خود دست بردارند یا ہر حیلہ بود کار خود را انجام می دادند، بلکہ شاید دریں صورت خلافت بین مسلمانها طوے می شد کہ باہتمام اصل اسلام منہی می شد، زیرا کہ ممکن بود آنها کہ در صد ریاست بودند چوں دیدند کہ باسم اسلام نمی شود بمقصود خود برسد بگرہ حزنہ بر ضد اسلام تشکیل می دادند۔

ہو جاتی اس لئے کہ ممکن تھا کہ
 جو لوگ اپنی حکومت کی فکر میں تھے
 جب وہ دیکھتے کہ یہ کام اسلام کے
 نام سے اور اس کے ذریعہ سے نہیں
 ہو سکتا تو اپنا مقصد حاصل کرنے
 کے لئے اسلام ہی کے خلاف گروہ
 بندی کرتے اور کھل کر میدان میں آجاتے۔

اس کے علاوہ حضرات شیخین، ذوالنورین، عام صحابہ کرام کے بارے میں
 خمینی صاحب کے فرمودات (جن کو نقل کرنے کا یارا نہیں) ان کی فارسی کتاب
 "کشف الاسرار" میں دیکھے جائیں یا مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کی کتاب "ایرانی انقلاب"
 امام خمینی اور شیعیت" میں ملاحظہ فرمائے جائیں ان کا یہاں اس سے زیادہ نقل
 کرنا نہ ضروری ہے نہ ممکن۔

نواب محسن الملک کا بصیرت افروز تبصرہ

صحابہ کرام کے بارے میں اس فرقہ کے عقیدے اور رویے کو دیکھ کر نواب محسن الملک

لے نواب محسن الدولہ محسن الملک منیر نواز جنگ سید ہدی علی ابن سید ضامن علی حسینی (۱۲۵۳ھ)

۱۳۲۵ء اس دور کے ممتاز ترین فضلاء عالی دماغ اور ہندوستان کی جدید تعلیم یافتہ نسل کے محسنوں

اور معاروں میں سے تھے، اپنے مطالعہ اور فطری سلامتِ طبع اور غور و فکر کی صلاحیت کی بناء پر

سستی مسلک اختیار کیا، نواب مختار الملک کی دعوت پر ۱۲۹۱ھ میں حیدرآباد گئے اور اعلیٰ عہدے پر

(باقی صفحہ پر)

(مولوی سید محمد ہمدی علی صاحب) نے ”آیات بینات“ میں جو کچھ لکھا ہے اس پر
 اضافہ اور اس سے بہتر طریقہ پر اس نفسیاتی و ذہنی ردِ عمل کا اظہار آسان نہیں،
 جو ایک سلیم الطبع انسان پر اس سے واقف ہونے کے بعد ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”حقیقت یہ ہے کہ جو اعتقاد شیعوں کا نسبت صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہے اس سے
 الزام آپ کی نبوت پر آتا ہے، اور سننے والے کو مذہب اسلام پر شبہ ہوتا
 ہے، اس لئے کہ جب کوئی اس امر پر یقین کر لے کہ جو لوگ حضرت پر ایمان
 لائے، ان کے دلوں پر کچھ اثر ایمان و اسلام کا نہ تھا اور وہ صرف ظاہر میں
 مسلمان اور عیاذاً باللہ باطن میں کافر تھے، یہ حضرت کے انتقال کرتے ہی
 وہ اس سے پھر گئے، وہ حضرت کی نبوت کی تصدیق کر نہیں سکتا، اور کہہ سکتا
 ہے کہ حضرت اگر سچے نبی ہوتے تو کچھ نہ کچھ ان کی ہدایت میں تاثیر ہوتی اور
 کوئی نہ کوئی دل سے ان پر ایمان لایا ہوتا، اور منجملہ ہزاروں لاکھوں،
 آدمیوں کے جو ان پر ایمان لائے، سو دو سو آدمی تو ایمان پر ثابت قدم
 رہتے، اگر صحابہ کرامؓ تمہارے عقائد باطلہ کے موافق اسلام اور ایمان میں

(باقی ص ۵۳ کا) سرفراز ہوئے ریاست میں بڑی دور رس اصلاحات کیں اور اپنی انتظامی
 و ذہنی صلاحیت کا ثبوت دیا ۱۳۰۵ھ میں انگلستان کا سفر کیا وہاں کے تعلیمی مرکزوں کو دیکھا
 سرسید کی زندگی میں ان کے دست راست رہے ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۶ء) میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ
 (M. A. S. COLLEGE) اور محمدن ایجوکیشنل کالفرنس کے سکریٹری منتخب ہوئے جس پر حسین جی
 فائر ہے، ان کے زمانہ میں کالج نے ہر حیثیت سے ترقی کی۔

نواب محسن الملک بڑی طاقتور شخصیت کے مالک تھے، صحیح بیان مقرر اور رزور لکھنے والے تھے، ان کی
 کتاب ”آیات بینات“ اپنے موضوع پر ایک معرکہ آرا کتاب ہے۔

کامل نہ تھے، تو وہ لوگ کون سے ہیں، جن پر حضرت کی ہدایت کا اثر ہوا،
 اور ویسے لوگ کتنے ہیں؟ جن کو حضرت کی نبوت سے فائدہ ہوا، اگر
 اصحاب نبی سوائے معدودے چند کے بقول تمہارے سب سے عیاذ باللہ
 منافی اور مرتد تھے تو دین اسلام کو کس نے قبول کیا؟ اور پیغمبر صاحب کی
 تعلیم و تلقین سے کس کو نفع پہنچا؟

امام شعبی کا قول

امام شعبی (م ۱۱۰ھ) نے بڑے نکتہ کی بات فرمائی کہ یہود و نصاریٰ،
 اہل تشیع کے مقابلہ میں اپنے پیغمبر کے زیادہ مرتبہ شناس اور قدرداں ہیں، یہودیوں
 سے پوچھا گیا، تمہاری ملت میں سب سے بہتر کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا حضرت
 موسیٰ کے ساتھی، ان کے اصحاب اعیسائیوں سے پوچھا گیا تمہاری ملت میں
 سب سے بہتر کون ہیں؟ انہوں نے کہا عیسیٰ کے حواری، شیعہ صاحبان سے
 پوچھا گیا تمہاری ملت میں سب سے بدتر کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اصحاب نبی
 صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

دنیا دار اور ناخدا ترس طالبین ریاست و حکومت پر قیاس

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان ایرانی نژاد حضرات نے صحابہ کرامؓ اور
 تربیت یافتگان نبویؐ کو بانیان سلطنت، طالع آزما، جاہ و سلطنت کے

۱۔ "آیات بنیات" حصہ اول ص ۶، طبع مزار پور، ۱۸۶۱ء ۲۔ منہاج السنۃ حصہ اول ص ۶

ہندوں اور مال و دولت کے حریصوں پر قیاس کیا جن کا نمونہ پہلوی، کیانی اور بعد میں صفوی، قاجاری، شاہان ایران کی شکل میں ان کے سامنے تھا، اور اگر یہ روایت صحیح ہے کہ خمینی صاحب کے جدا مجد اودھ سے ایران منتقل ہوئے تھے، تو انھوں نے صحابہ کرامؓ کو تعلقداروں، زمینداروں اور ہوشیار اور کہنہ مشق مقدمہ بازوں اور جعل سازوں پر قیاس کیا جو زر، زمین، زن کے لئے ہر طرح کے وسائل و مسماعی کو جائز اور ضروری سمجھتے ہیں۔

«ذَلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ

أَعْلَمُ بِمَنْ اهْتَدَىٰ» (ان کے علم کی یہی انتہا ہے، تمہارا پروردگار اس کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کے رستے سے بھٹک گیا، اور وہ خوب واقف ہے اس سے جس نے ہدایت پائی)

خاندان اور اہل قرابت کے بارہ میں اسوۂ نبوی

ہم نے ایسے دین کے لئے جو پوری نوع انسانی کو مخاطب کرتا اور اس کو اعلیٰ اخلاق و کردار اور بنیادی اصلاح و انقلاب کی دعوت دیتا ہو، دوسری شرط یہ قرار دی تھی کہ اس دین کے داعیِ اول کا مقصود، قدیم بائیان سلطنت اور عام سیاسی قائدین اور رہنماؤں کی طرح (جن کی تاریخ دنیا کے سامنے ہے) اپنی دعوت، ایشیا و قربانی اور رابطہ عوام کے ذریعہ خاندانی سلطنت کا قیام اور ایک موروثی حکومت کی تاسیس نہ ہو، اور وہ اپنی ان کوششوں کے ذریعہ (اس وقت جو مخلصانہ وغیر جانبدارانہ معلوم ہوتی تھیں) اپنے خاندان کے لوگوں کو بندگانِ خدا کے سر پر

سلط کرنے، ان کا آقا بنانے، اور ان کے لئے مدتوں تک پیشوائی و سرداری اور خوشحالی و فارغ ابالی کی راہ ہموار کرنے اور ان کے نسل و نسل مفادات کو محفوظ کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔

ہم اس نقطہ نظر سے جب سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معجزات کی ایک دنیا نظر آتی ہے جن میں نبوی مزاج جس کی تربیت دست قدرت نے کی تھی (أَذَبْنِي رَبِّي فَأَحْسِن تَأْدِيبِي) اور اس "خلق عظیم" کی جس کی شہادت قرآن نے "وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ" کے الفاظ سے دی ہے، جلوہ افروز نظر آتی ہے اور نبوی سیرت کا وہ تسلسل صاف نظر آتا ہے جس کو قرآن نے ہر نبی کی زبان سے ان الفاظ میں محفوظ کر دیا ہے۔

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ
إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ
الْعَالَمِينَ ۝

اور اس کام کا میں تم سے کچھ صلہ
نہیں مانگتا، میرا صلہ تو رب العالمین
ہی کے ذمہ ہے۔

اس نکتہ کو غیر مسلم ہونے کے باوجود باز نطینی سلطنت کے سربراہ ہرقل (HERACLIUS) (۶۱۰-۶۴۱ء) نے بھی جو عیسائی تھا، لیکن مذہبی لٹریچر اور مذاہب و اقوام کی تاریخ سے خصوصی واقفیت رکھتا تھا، سمجھ لیا تھا، اس نے نامہ مبارک پانے کے بعد آپ کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے اور صحیح رائے قائم کرنے کے لئے قبیلہ قریش کے ایک سردار ابوسفیان سے جو اتفاقاً انھیں دونوں اس کے

۱۵ سورۃ القلم - ۴۱ سورۃ الشعراء - ۱۰۹ میں حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت ثقیف کی زبان سے نکلا ہوا علیحدہ علیحدہ یہ جملہ نقل کیا گیا ہے۔

قلمرو میں آئے ہوئے تھے، آپ کے متعلق جو سوالات کئے ان میں ایک یہ تھا، کیا اس نبی کے خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ ابوسفیان نے نفی میں جواب دیا، بعد میں ہرقل نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا ان کے خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ تم نے کہا نہیں، اگر کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو میں کہتا کہ وہ اپنے خاندان کی بادشاہت کے طالب ہیں۔

اب سیرت کا اس زاویہ نگاہ اور اس پیمانہ سے جائزہ لیجئے تو قدم قدم پر ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اس دعوت اور جذبہ جہد سے مقصود سامانی اور رومی خاندانوں سے (بنی ہاشم و بنی مطلب تو الگ ہے، قریش بھی ایک طرف) عربوں کی طرف سلطنت منتقل کرنا نہیں تھا، چہ جائیکہ ہاشمی سلطنت یا مطلبی سرداری کا قیام، آپ کے دین و دعوت کے ان نمائندوں کا ذہن بھی جو صحابہ کرام کی صف اول میں نہیں تھے، اس بارے میں صاف تھا، اور وہ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے تھے، اس کا اظہار ربیع بن عامر کے اس جواب سے ہوتا ہے، جو انھوں نے ایرانی افواج کے سپہ سالار عظم اور رکن سلطنت "رتم" کو دیا، اس نے پوچھا "مالذی جاء بکم؟ تمہارے یہاں آنے کی غرض اور محرک کیا ہے؟ انھوں نے جواب میں کہا :-

اللہ ابتعثنا لنخرج من شاء من
الشر نے ہمیں اس کام کے لئے مامور و مقرر

عبادة العباد إلى عبادة الله
کیا ہے کہ ہم ان لوگوں کو جن کے لئے اللہ کی

مشیت ہے بندوں کی بندگی و غلامی سے

۲
وحدۃ۔

۱۔ الجامع الصغیر للبخاری، کتاب الوجی حصہ اول ص ۳ مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البیالی اعلیٰ قاہرہ۔

۲۔ البدایۃ والنہایۃ جلد ۳ ص ۳۹

نکال کر خدائے واحد کی بندگی و غلامی

میں لے آئیں۔

آپ کا معاملہ اپنے اہل بیت اور قرابت داروں کے ساتھ (الأقرب فالأقرب) دنیاوی سرداروں 'نسب پرستوں' عام حکمرانوں سے نہ صرف مختلف بلکہ متضاد تھا۔ آپ کا اصول یہ تھا کہ جو آپ سے جس قدر قریب ہوتا، آپ خطرات اور آزمائشوں میں اس کو اسی قدر آگے رکھتے، اور انعام و اکرام اور مال غنیمت کی تقسیم کے وقت اسی قدر پیچھے، جب عقبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عقبہ نے (جو عرب کے نامی گرامی بہادروں اور جنگ آزماؤں میں تھے) بدر کے معرکہ میں قریش کو لٹکارا اور مبارز طلبی کی تو آپ نے حمزہؓ، علیؓ، عبیدہؓ کو آواز دی، ان کے مقابلہ میں بھیجا، حالانکہ آپ مکہ کے ان شہسواروں کی حیثیت سے خوب واقف تھے، مہاجرین میں متعدد ایسے جری اور شہسوار موجود تھے، جو ان سے دو ڈوہا تھ کر سکتے تھے، بنی ہاشم کے یہ تینوں افراد تھے جو خون و رشتہ میں آپ سے بہت قریب تھے، اور آپ کو سب سے زیادہ عزیز و محبوب بھی، لیکن آپ نے ان کو اس خطرہ سے بچانے کے لئے دوسرے حضرات کو خطرہ میں نہیں ڈالا اور انھیں کو مقابلہ میں بھیجا، اللہ تعالیٰ کا کرنا کہ اس نے ان کو اپنے دشمنوں پر غالب کیا اور فتح نصیب فرمائی، حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، منظر و منصور واپس آئے، حضرت عبیدہؓ کو زخمی حالت میں لایا گیا۔

لیکن آپ نے جب زکوٰۃ کی فرضیت کا اعلان کیا (جو قیامت تک باقی رہنے والا اسلامی رکن ایک دائمی و عالمگیر عالمی ادارہ (INSTITUTION) اور آمدنی کا غیر مختتم ذریعہ ہے) تو بنی ہاشم کو اس سے فائدہ اٹھانے سے قیامت تک کے لئے روک دیا۔

اور ان کا اس میں کوئی حصہ نہیں رکھا، لیکن جب سود کو حرام قرار دیا تو اس کی ابتداء اپنے عم محترم عباس ابن عبد المطلب سے کی، جب جاہلیت کے خون و مطالبہ کو کالعدم قرار دیا تو اس کی ابتداء اپنے بھائی ربیعہ بن احوارث بن عبد المطلب سے فرمائی، حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

”زمانہ جاہلیت کا سود آج سے ختم اور کالعدم ہے اور پہلا سود جو میں ختم کرتا ہوں وہ ہمارے یہاں عباس بن عبد المطلب کا سود ہے، زمانہ جاہلیت کا خون بھی کالعدم ہے اور وہ ہمارے یہاں کاربوعہ بن حارث بن عبد المطلب کا خون ہے، جو قبیلہ بنی لیت میں دودھ پیتے تھے، قبیلہ ہذیل نے ان کو قتل کر دیا۔“

خطرات میں آگے، منافع میں پیچھے

راحت و آرام اور انعام و اکرام کے موقع پر آپ عام سلاطین و حکمرانوں یا سیاسی رہنماؤں کی روش اور عادت کے خلاف ان حضرات کو ہمیشہ پیچھے رکھتے تھے، اور ان پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کو چکی پیسنے میں مشقت ہوتی تھی، اسی زمانہ میں ان کو یہ خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ باندیاں آئی ہیں، وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور اس کی خواستگار ہوئیں کہ ان کو بھی ان کی خدمت و مدد کے لئے کوئی باندی عطا ہو جائے، آپ مکان پر نہیں ملے، وہ حضرت عائشہؓ سے کہ گئیں حضرت عائشہؓ نے آپ سے اس کا تذکرہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے یہاں

اصحیح مسلم کتاب الحج باب حجۃ البنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، والوداؤد بروایت جابر بن عبد اللہ۔

تشریف لائے، اس وقت ہم سونے کے لئے لیٹ چکے تھے آپ کو دیکھ کر ہم کھڑے ہونے لگے، آپ نے فرمایا اپنی جگہ رہو، آپ وہیں بیٹھ گئے، یہاں تک کہ میں نے آپ کے پاؤں کی ٹھنڈک اپنے سینہ پر پائی، آپ نے فرمایا کہ میں تم کو اس سے بہتر بات نہ بتاؤں جو تم نے سوال کیا تھا، جب تم سونے کے لئے لیٹو تو ۳۴ مرتبہ الشراکبر اور ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۳ بار سبحان اللہ کہہ لیا کرو، یہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہے جس کا سوال تم نے مجھ سے کیا تھا۔

ایک دوسری روایت میں اسی واقعہ کے ساتھ یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے حضرت علیؓ وفاطمہؓ سے فرمایا کہ خدا کی قسم اس حالت میں کہ اہل صفہ کے پیٹ بھوک سے پیٹھ سے لگ گئے ہیں، میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتا، میرے پاس ان پر خرچ کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں، میں ان کو فروخت کر کے ان کی آمدنی اہل صفہ پر خرچ کروں گا۔

یہ نبوی مزاج (جو تمام انبیاء میں مشترک رہا ہے) آپ کے اس جملہ سے ظاہر ہوتا ہے جس میں فرمایا گیا "انا معشر الانبیاء لا نورت ما ترکنا صدقۃ" (ہم گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ اور عام مسلمانوں کا حصہ ہے۔)

اتنا ہی نہیں آپ نے قیامت تک کے لئے اپنے تعلق والوں (آل محمد صلعم) کے لئے ایشارہ و قربانی اور زہد و قناعت کی زندگی پسند فرمائی، اور اس کو ان کے لئے

۱۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد باب الدلیل علی ان الخمس لنوائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۲۔ روایت احمد فتح الباری جلد ۷، ص ۲۳۳-۲۳۴ ۳۔ صحیح بخاری مؤسن ابی داؤد

خدا سے مانگ گئے، آپ کی دعا تھی "اللہم اجعل رزق آل محمد قویاً" (اے اللہ
آل محمد کا رزق بقدر ضرورت ہو۔)

اسلام میں ذاتی سعی و صلاحیت پر نجات و ترقی کا انحصار

ایسی حالت میں اس کا کیا امکان تھا کہ آپ نے اپنے خاندان والوں کے لئے
موروثی ریاست و حکومت کا انتظام فرما دیا ہو اور خلافت و امامت کو ان میں
محدود و محفوظ فرما گئے ہوں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس دین کی عمومیت انسانی مساوات
کے اسلامی اصول اور آیات اگر مکہ عند اللہ اتقا کہ کے واضح اعلان کے باقی
رکھنے اور امت محمدیہ کے تمام افراد کو ہر زمانہ میں اپنے عمل اپنی کوشش اور اپنے علم
و اخلاص، صلاحیتوں کے بقدر اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب روحانی اور مناصب دنیاوی
تک پہنچنے کے امکانات کو روشن کرنے اور امت میں جذبہ عمل و مسابقت پیدا کرنے
کے لئے یہی مناسب تھا کہ آپ اہل بیت اور اپنی ذریت کے لئے علم و عمل اور سعی و جہد کا

لے صحیح بخاری (کتاب الرقاق) صحیح مسلم (کتاب الزہد)۔ ۱۷ فرقہ اثنا عشریہ کے یہاں امامت کا
جو وسیع مفہوم اور اس کے جو حدود و اختیارات ہیں، ان کا ذکر آگے آئے گا۔

۱۷ فرقہ اثنا عشریہ کے نزدیک حضرت علیؓ و وصی اور نص رسول اور قرآنی آیات کے مطابق رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین اول، خلیفہ بلا فصل اور امام معصوم تھے کہ امام کے بغیر دنیا قائم
نہیں رہ سکتی اور ان سب کا اہل بیت سے ہونا ضروری ہے، اللہ کی حجت اپنی مخلوق پر اس وقت تک
پوری نہیں ہو سکتی جب تک کہ امام نہ ہو اور اس کا علم نہ ہو جائے، ان اماموں کا پہچاننا، اور ماننا شرط
ایمان ہے: (ملاحظہ ہو رجال کشی ص ۷۷، اصول کافی ص ۱۰۴)

میدان کھلا رکھیں اور امت کے کان میں ہر زمانہ میں قرآن کی لگائی ہوئی پیرا آتی رہے:

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ

اور اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ

کی طرف لیکو جس کا عرض آسمان اور

وَالْأَرْضُ ۗ أَعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ۝

زمین کے برابر ہے اور جو (خدا سے)

(سورۃ آل عمران - ۱۳۳)

ڈرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

قرآن نے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ انسان کی کامیابی ترقی اور فلاح کا انحصار

اس کی ذاتی سعی پر ہے:-

اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی

وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ

وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی

وَأَن سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ۝

کوشش دیکھی جائے گی، پھر اس کو

ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْآوْفَىٰ ۝

اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

(سورۃ النجم - ۳۹-۴۱)

اور یہ کہ کوئی انسان قیامت میں کسی دوسرے انسان کا بوجھ نہیں اٹھائے گا،

ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار اور جواب دہ ہے:-

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ

اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ

(سورۃ الانعام - ۱۶۴) نہیں اٹھائے گا۔

صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ آپ نے اپنے قبیلہ خاص نبی بعد منان اور اس میں سے

بھی قریب ترین اور عزیز ترین خاندانی افراد میں سے ایک ایک کا نام لے لے کر فرمایا کہ میں اللہ کے

معالے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا، یہاں جو کچھ لینا ہو مجھ سے لے لو۔

لے یعنی وہاں اپنا ذاتی عمل و سعی ہی کام آئے گا۔

یا بنی عبد مناف لا اغنی عنکم اے بنی عبد مناف! میں اللہ کے مولا

من اللہ شیئاً ویا صفیة میں تمہاری مدد نہیں کر سکوں گا اور

عمۃ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی! میں اللہ

وسلم لا اغنی عنک من اللہ کے مولا میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکوں گا

شیئاً، ویا فاطمة بنت محمد اور اے فاطمہ بنت محمد! مجھ سے میرے

(صلی اللہ علیہ وسلم) سلینی مال میں سے جو چاہے مجھ سے مانگ لو مگر اللہ

ماشتت من مالی لا اغنی عنک من اللہ شیئاً کے مولا میں میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا

بلکہ آپ نے یہ کہہ کر اس پر مہر نبوت ثبت کر دی کہ ”من الباطن عملہ لم

یسرع بہ نسیہ“ (جو اپنے عمل کے لحاظ سے سچھے رہ گیا اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھا سکتا)

خلفاء کی ترتیب اور اہل بیت کے ساتھ خدا کا معاملہ عظیم حکمتوں پر مبنی تھا

ہمارے نزدیک نہ یہ اتفاقی واقعہ تھا نہ کسی سازش اور منصوبہ بندی کا نتیجہ کہ

آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد مندر خلافت پر آپ کے خاندان کے کسی فرد کے

بجائے (جو بلاشبہ اعلیٰ انسانی اوصاف و کمالات کا حامل تھا) قریش کی ایک و سہری

شاخ (بنو تیم) کا ایک فرد (ابوبکر صدیق) مسلمانوں کے عام انتخاب و پسندیدگی

کے مطابق متکون ہوا، جو بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب میں سے نہ تھا، تاکہ پہلے ہی مرحلہ

میں یہ بات ذہنوں میں راسخ اور عالم آشکارا ہو جائے کہ اسلام کوئی وراثتی نظام

اور خاندانی مسئلہ نہیں ہے، اس میں خلافت و امامت کا انحصار قابلیت، خدا اور

لہذا جامع الصحیح للبخاری، کتاب التفسیر باب ۱۰۰ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ“

مسلمانوں کی عام پسندیدگی اور فیصلہ پر ہے۔

پھر راقم سطور کے نزدیک یہ بھی محض کسی اتفاق یا مجبوری کی بات نہیں تھی کہ اس کے بعد بھی صدیوں تک بنی ہاشم کے ساتھ خدا اور امت کا یہی معاملہ رہا کہ وہ محض اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ، ایثار و قربانی، حمیت اور اولوالعزمی کے ذریعہ امت محمدیہ کے اعزاز و اکرام کے مستحق اور علمی و دینی امامت و قیادت پر فائز ہوتے رہے، اور امت ان کی خدمت میں اپنی عقیدت و محبت کا خراج پیش کرتی رہی، انھوں نے متعدد بار نازک ترین موقعوں پر امت کی مدد کی، دشمنانِ اسلام کے خلاف صفت آرا ہوئے، اور اپنی سچی روحانیت اور بلند عزیمت کے ذریعہ مسلم معاشرہ میں نئی روح اور نئی توانائی پیدا کر دی۔ **ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ**

قرآن کی صحت و محفوظیت پر نصوص قرآنی

۳۔ نمبر ۲ میں ہم نے یہ کہا تھا کہ نبوت دائمی کے لئے تیسری شرط یہ ہے کہ اس آخری پیغمبر پر جو آخری آسمانی صحیفہ نازل ہوا اور جو اس کے دین کی اساس اور اس کی دعوت و تعلیمات کا سرچشمہ اور مخلوق کو خالق سے مربوط کرنے کا دائمی ذریعہ ہے، وہ اپنے

لئے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیدنا حسینؑ شہید کربلا کے بعد سے ان مردانِ کاد، روحانی پیشواؤں

اور مجددینِ اسلام کے سیر و سوانح جن کا تعلق خاندانِ سادات اور اہل بیت سے تھا، جنھوں نے

بڑے نازک موقعہ پر امت کی مدد کی، بیشتر اسلامی ممالک کی تاریخ ان کے کارناموں سے آراستہ

و مزین ہے، اور مسلمان اس کے معترف اور اس پر فخر کرتے ہیں۔

ایک ایک حرف و نقطہ کے ساتھ محفوظ، قابل فہم اور انسانی دسترس میں ہو، جس کی قراءت و تلاوت، حفظ و استحضار اور تفہیم و تفہیم کا سلسلہ ہر زمانہ میں جاری ہو، اور اس میں صحت سابقہ کی طرح نہ تحریف عمل میں آئی ہو اور نہ وہ کسی طبقہ، خاندان یا نوا اور مخطوطات کے کتب خانہ میں اتنا قدیمہ یا خاندانی دستاویزات و سندرات اور وصیت ناموں کی طرح محفوظ ہو، اور خاص خاص لوگوں کو دکھایا جاتا ہو، اور وہی اس سے واقف ہوں۔

اس سلسلہ میں قرآن مجید کی تصریحات بہت واضح اور قطعی ہیں، نزول قرآن کے وقت جب جبریل امینؑ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا رہے تھے، اور آپ اس کو قلب مبارک میں فوراً محفوظ کرنے اور پھر اس کو نبیؐ دوسروں تک پہنچانے کے لئے فکر مند تھے، یہ وعدہ فرمایا گیا کہ:-

إِنَّا عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝

فَإِذَا قُرِئَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝

ثُمَّ إِنَّا عَلَيْهِ نَبِإَهُ ۝

(سورۃ القیامتہ - ۱۷-۱۸-۱۹)

پڑھا کرو، پھر اس کے (معانی کا بیان

بھی ہم اے ذمہ ہے۔

اس میں سینہ مبارک میں محفوظ ہونے پھر بے کم و کاست اس کی تلاوت کر سکنے، پھر اس کی توضیح و تشریح کا انتظام ہونے اور اس کا سلسلہ قیامت تک جاری ہونے کی ذمہ داری لی گئی ہے، پھر جب قرآن شریف لوگوں تک پہنچ گیا، پھر کسی نے اس کو کلا کسی نے جزءاً حفظ کیا، اس کو اپنے سینہ میں محفوظ کر لیا، پھر غزوات

اور جنگیں پیش آئیں مسلمان دنیا کے ممالک میں منتشر ہوئے اور زمانہ میں انقلابات پیش آئے تو اس کا ذمہ لیا گیا کہ یہ قرآن مجید اپنے الفاظ کے ساتھ قیامت تک محفوظ رہے گا، فرمایا گیا۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ
لَلْحَفِظُونَ (سورۃ الحج - ۹)

بیشک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے
اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

غیر مسلم مورخین و فضلاء کی شہادتیں

قرآن مجید کی محفوظیت کے اس عقیدہ پر (سوائے فرقہ اثنا عشریہ کے)

تمام قدیم و جدید مسلمانوں کا اتفاق ہے، ہمیں یہاں ائمہ اسلام، مشاہیر علماء اور مسلم فضلاء کے اقوال نقل کرنے کی ضرورت نہیں کہ یہ اہل سنت کے نزدیک جزء ایمان اور ان کا متفق علیہ عقیدہ ہے، ہم یہاں غیر مسلم فضلاء اور خاص طور پر عیسائی مصنفین اور مورخین کی شہادتیں پیش کرتے ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں یہ اعتراض موجود ہے کہ:-

”قرآن روئے زمین پر سب کتابوں سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے“

مستشرقین اور یورپی محققین جو قرآن کے بارے میں یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ وہ

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بذریعہ وحی نازل ہوا، وہ بھی مذکورہ بالا خیال سے

لے قرآن مجید کی حفاظت و کتابت و نشر و اشاعت کے بارے میں تفصیلات مستند عربی کتابوں

میں دیکھی جائیں جو اس موضوع پر لکھی گئی ہیں، اردو نواں حضرات پروفیسر سید نواب علی صاحب کی

محققانہ کتاب ”تاریخ صحف سماوی“ کا مطالعہ کریں۔ لے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا عنوان ”قرآن“

متفق ہیں، سر ویلیئم میور (SIR WILLIAM MUIR) جو پیغمبر اسلام کے متعلق اپنے
 نعت کے لئے مشہور تھے، جس کے سبب ہندوستانی مسلمانوں کی نئی تعلیم کے علمبردار
 سر سید احمد خاں کو ان کی کتاب "LIFE OF MOHAMMAD" کے جواب میں خطبات
 احمدیہ لکھنی پڑی تھی، وہ مذکورہ کتاب میں لکھتے ہیں:-

”حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے ربیع صدی کے بعد اندر ہی
 ایسے شدید مناقشات اور فرقہ بندیاں پیدا ہوئیں جن کے نتیجے میں حضرت
 عثمانؓ شہید کر دیئے گئے، اور یہ اختلاف آج بھی باقی ہے، لیکن ان سب
 فرقوں میں قرآن ایک ہی ہے، ہر زمانہ میں تو اتر کے ساتھ ان سبھی فرقوں کا
 ایک ہی قرآن پڑھنا اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ آج ہمارے
 سامنے وہی صحیفہ ہے جو اس بد قسمت خلیفہ کے حکم سے تیار کیا گیا تھا، شاید پوری
 دنیا میں کوئی دوسری ایسی کتاب نہیں جس کی عبارت بارہ صدیوں تک اس طرح
 بغیر تبدیلی کے باقی رہی ہو، قرآن میں قراءت کا اختلاف حیرت انگیز طور پر
 بہت کم تعداد میں ہے، یہ بھی ان اعراب کی وجہ سے ہے جو بہت بعد کے زمانہ
 میں لگائے گئے تھے“

دھری (WHERRY) اپنی تفسیر قرآن میں لکھتا ہے:-

”تمام قدیم صحیفوں میں قرآن سب سے زیادہ غیر مخلوط اور خالص
 ہے“ (PUREST)

اے معذرت کے ساتھ مصنف کا اشارہ ان کی شہادت کی طرف ہے جو اسلامی نقطہ نظر سے ایک سعاد اور نعمت ہے

۱۰ SIR WILLIAM MUIR. "LIFE OF MOHAMMAD" (1912) P. XXII/XXIII
 ۱۱ COMMENTARY OF THE QURAN VOL. I 349

لین پول کہتا ہے (LANE POOLE) :-

”قرآن کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی اصلیت میں کوئی شبہ نہیں ہے، ہر حرف

جو ہم آج پڑھتے ہیں، اس پر یہ اعتماد کر سکتے ہیں کہ تقریباً تیرہ صدیوں سے
غیر تبدیل رہا ہے۔“

باسورۃ اسمتھ لکھتا ہے :-

”ہم ایک کتاب (قرآن) رکھتے ہیں جو اپنی اصلیت میں اپنے محفوظ رہنے

میں اپنے مضامین کی بے ترتیبی میں بالکل یکتا ہے، لیکن اس کی جوہری صداقت
میں کوئی شخص کبھی سنجیدہ شک نہ کر سکا۔“

پروفیسر آرنلڈ اپنی کتاب (ISLAMIC FAITH) میں لکھتا ہے :-

”قرآن مجید کا متن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں۔“

پروفیسر فلپ ہٹی (PHILIP HITTI) کہتا ہے کہ :-

”قرآن مجید میں بلاشک و شبہ محمد صلعم کے الفاظ ہیں، جن میں نہ کوئی اضافہ

ہو، نہ کمی ہوئی۔“

اس سے بھی زیادہ شہادتیں اور اعتراضات پیش کئے جاسکتے ہیں، لیکن ہم اسی پر اکتفا

کرتے ہیں۔

۱۰ SELECTION FROM THE QURAN P. C.

۱۱ ISLAMIC FAITH, P. 9

۱۲ BOSWORTH OP. CIL, P. 22

۱۳ یہ بات ذہن میں رہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے یہاں کلام الہی کا جو تخیل مسلمانوں کے یہاں ہے، یعنی
معنی اور الفاظ دونوں اللہ کی طرف سے ہوں، وہ نہیں پایا جاتا، وہ بے تکلف اپنے صحف مقدسہ کے سلسلہ میں مصنفین کا لفظ

استعمال کرتے ہیں۔ ۱۴ P. K. HITTI. "HISTORY OF THE ARABS" P. 123

قرآن مجید کے بارے میں فرقہ اثنا عشریہ کے عقائد و بیانات

اب اس کے بالمقابل فرقہ اثنا عشریہ کے قرآن کے بارے میں قوال کا جائزہ لیجئے، وہ قرآن مجید میں تحریف کے قائل ہیں اور اس پر تقریباً ان کا اتفاق ہے، علامہ فخری طبری نے قرآن کے محرف ہونے کے ثبوت میں ایک مستقل کتاب تصنیف کی جس کا نام "فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الأرباب" انھوں نے لکھا ہے کہ ہمارے ائمہ معصومین کی دو ہزار سے زیادہ روایتیں ہیں جو یہ بتلاتی ہیں کہ موجودہ قرآن میں تحریف ہوئی، اور ہر طرح کی تحریف ہوئی، فرقہ اثنا عشریہ کے خاتم المحدثین اور مذہب شیعہ کے ترجمان اعظم علامہ باقر مجلسی کے زمانہ یعنی دسویں و گیارہویں صدی ہجری بلکہ اس کے بعد تک بھی شیعہ علماء و مصنفین پورے ادعا کے ساتھ ہی کہتے اور لکھتے رہے کہ موجودہ قرآن میں تحریف، تغیر، تبدل اور کمی بیشی ہوئی ہے، ناظرین کی نظر سے امام خمینی کی یہ عبارت گذر چکی ہے کہ :-

آن آیات را از قرآن بردارند	(صحابہ کے لئے آسان تھا کہ) ان آیات
و کتاب آسمانی را تحریف کنند و برآ	کو قرآن مجید سے نکال دیں اور کتاب
ہمیشہ قرآن را از نظر جہانیاں	آسمانی میں تحریف کریں اور ہمیشہ کے لئے

۱۔ اس اتفاق و اجماع سے صرف چار اشخاص (صدوق، شریف مرتضیٰ، ابو جعفر طوسی، ابو علی طبری) کا استثناء کیا گیا ہے لیکن ان میں سے بعض کا رجوع ثابت ہے اور بعض کے متعلق (اہل تشیع کے اصول فقہ کی روشنی میں) اس شبہ کی گنجائش ہے کہ انھوں نے یہ بات ازراہ تفسیر کہی ہو ۲۔ یہ کتاب پاکستان میں چھپ گئی ہے ۳۔ فصل الخطاب ص ۲۲۴ ۴۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "ایرانی انقلاب" امام خمینی شہیدؒ از مولانا محمد منظور نعمانی ص ۱۵۶

لے کر جنوب تک تلاوت کرتی ہے اور جس کے حُفاظ کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے اور جن سے کوئی گوردہ اور بد قسمت مقام ہی خالی ہوگا، رمضان المبارک میں چھوٹی سی چھوٹی مسجد میں تراویح میں ایک ایک دُور و بار ختم ہوتے ہیں، عملاً کوئی وابستگی اور دل چسپی نہیں، یہ مشہور بات ہے کہ شیعوں میں حُفاظ نہیں ہوتے اور قرآن مجید کی اصلیت میں شک ہونے پر نفسیاتی طور پر ایسے ہی ہونا چاہئے، راقم سطور کو اپنے سفر ایران (۱۹۷۳ء) میں خود اس کا تجربہ ہوا، دنیا کے اسلام میں کسی دور دراز مقام پر بھی کوئی چھوٹا موٹا جلسہ ہو، کوئی ایسا قاری مل جاتا ہے جو اپنے حفظ سے قرآن مجید کا کوئی رکوع یا سورہ سنائے، راقم سطور کو جو ایک مؤقر وفد کی قیادت کر رہا تھا، اور اس کے رفقاء کو ایک نامور ممتاز شیوخ عالم و مجتہد (جو آیت اللہ العظمیٰ کے لقب سے مقبلاً تھے) کے دولت خانہ پر جو زین نعل تہران میں واقع ہے، استقبال یہ دیا گیا، جلسہ کا آغاز ان کے صاحبزادہ نے قرآن مجید ہاتھ میں لے کر اور اس سے کچھ آیتیں پڑھ کر کیا، تم اور مشہد کی مساجد و مشاہد میں قرآن مجید کی تلاوت کی آواز آتی تھی، وہ عام طور پر مصری قاریوں کے کیسٹ ہوتے تھے، اسی بناء پر اشاعتی کتب خانہ میں قرآن مجید کی خدمت کے وہ آثار اور نمونے نہیں ہیں جن سے عام اسلامی ملکوں کے کتب خانے مالا مال ہیں۔

منکرین کے لئے حجت

ایسی صورت میں مسلمان اس عقیدہ کے ساتھ دنیا کو اپنے دین کی دعوت اور قرآن مجید کو اپنی صداقت اور اپنی دعوت و تعلیمات کی صحت و فضیلت کی سند

کے طور پر کیسے پیش کر سکتے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کی یہ تصویر جو اس عقیدہ کے ساتھ ابھرتی ہے اس میں کتنی دل کشی اور زیبائی اور ان لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے یا اس کے مطالعہ پر آمادہ کرنے کی (جو اس کے دائرہ سے باہر ہیں) کتنی صلاحیت پائی جاتی ہے؟ کیا دنیا کو (تحریف قرآن کے اس دعوے کے بعد) مسلمان داعی سے یہ کہنے کا حق نہیں کہ

اتنی نہ بڑھا پاکی دامن کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

ائمہ کی تعریف اور ان کے اوصاف و حدیثی اور ختم نبوت کے منافی

۴۔ چوتھی اور آخری چیز جس کو ہم نے نبوت دائمی اور امت خالدہ کے لئے شرط قرار دیا تھا، وہ یہ تھی کہ نبی ہی کی ذات مرکزِ ہدایت اور امت کی قلبی وابستگی اور ذہنی سپردگی کا محور ہو اور عقیدہ وحدانیت الہی کے ساتھ (جہاں تک نبی کی ذات و شریعت کا تعلق ہے) وہ وحدتِ مطلع و شارع کی بھی حامل ہو، اس موقع پر علامہ اقبال کے یہ الفاظ بڑے معنی خیز و فکر انگیز ہیں جو انھوں نے قادیانیت پر تنقید کرتے ہوئے اپنے ایک مضمون میں لکھے :-

”ہمارا ایمان ہے کہ اسلام بحیثیت دین کے خدا کی طرف سے ظاہر ہوا“

لیکن اسلام بحیثیت سوسائٹی یا ملت کے رسول کریم کی شخصیت کا مرہونِ منت ہے۔۔۔۔۔ مسلمان ان تحریکوں کے مقابلہ میں زیادہ حساس ہیں جو اس کی وحدت کے لئے خطرناک ہیں اس لئے کہ اسلامی وحدت

ختم نبوت سے ہی استوار ہوتی ہے!

اب امامت کے بارے میں فرقہ اثنا عشریہ کے عقائد و اصول پر ایک نظر ڈال لیجئے، جو ہم اصول کافی سے اخذ و اقتباس کر کے نقل کرتے ہیں، اثنا عشری حضرات کے نزدیک نبی کے جانشین، خلیفہ امام بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر اور نامزد ہوئے، وہ نبی ہی کی طرح معصوم، مفترض الطاعتہ ہوتے ہیں، ان کا درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر اور سب نبیوں سے بالاتر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی حجت اپنی مخلوق پر بغیر امام کے قائم نہیں ہو سکتی، یہ بات اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک اس کا علم نہ ہو جائے، امام کے بغیر دنیا قائم نہیں رہ سکتی، اماموں کا جاننا پہچاننا شرط ایمان ہے، ائمہ کی اطاعت رسولوں ہی کی طرح فرض ہے، ائمہ کو اختیار ہے جس چیز کو چاہیں حلال اور جس چیز کو چاہیں حرام قرار دے دیں، ائمہ انبیاء ہی کی طرح معصوم ہوتے ہیں، ائمہ معصومین کو ماننے والا اگر ظالم، فاسق فاجر بھی ہے تو جنتی ہے۔ ائمہ کا درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر اور

ساری مخلوق اور دو ستر تمام انبیاء علیہم السلام سے برتر و بالاتر ہے، ائمہ کو ماکان و مایکون کا علم حاصل تھا، ائمہ کے سامنے بندوں کے دن رات کے اعمال پیش ہوتے ہیں، ائمہ کے یہاں دن رات فرشتوں کی آمد و رفت جاری ہے، اور ہر شب معجزات میں ان کو معراج ہوتی ہے، ائمہ پر ہر سال شب قدر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کتاب نازل ہوتی ہے، موت ان کے اختیار میں ہوتی ہے، اور وہ دنیا و آخرت کے

۱۲۲-۱۳۶ ص ۵۲ ملاحظہ ہو، اصول کافی، ص ۱۰۳-۲۵۹، و شرح اصول کافی

دوم ص ۲۲۹، ہر جز کا حوالہ مولانا محمد منظور رضا نعمانی کی کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" میں دیکھا جاسکتا ہے۔

مالک ہیں جس کو چاہیں دے دیں اور بخش دیں۔

قدیم ایران کے عقائد کا پرتو

اس عالی عقیدہ امامت میں جس کے حدود نسل و نسب پرستی سے آگے بڑھ کر تقدیس و تالیہ تک پہنچ جاتے ہیں، قدیم ایران کے عقائد کا پرتو پایا جاتا ہے، ایران میں (ما قبل اسلام) دینی سیادت و قیادت کسی خاص قبیلہ میں مرکوز ہوتی تھی، قدیم زمانہ میں دینی پیشوائی اور حکمرانی قبیلہ میڈیا میں مرکوز تھی، زردشت کے ایران پر اثر اور زردشتی مذہب کے غلبہ کے بعد یہ پیشوائی قبیلہ المغان کی طرف منتقل ہو گئی، پڑوہتوں کے طبقہ (PRIEST CLASS) کے بارے میں اہل ایران کا عقیدہ تھا کہ وہ زمین اور اہل زمین پر ساری خداوندی (طل اللہ) ہیں، وہ معبودوں کی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، حکمران کا اس قبیلہ سے ہونا ضروری ہے، اس میں ذات الہی مجسم ہو جاتی ہے، آتش کدہ (بیت النار) کے انتظام اور مجاوری کا منصب تنہا اسی قبیلہ کا حق ہے۔

عصر حاضر کے مشہور مصری فاضل و محقق ڈاکٹر احمد امین نے اپنی مشہور کتاب "ضحیٰ الاسلام" جلد ثالث میں شیعوں کے اپنے ائمہ کے بارے میں عقیدہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :-

"ایرانیوں میں سے ایک بڑی تعداد نے تشیع اس لئے قبول کیا کہ ایرانی شہنشاہی کے زمانے میں حکمران خاندان کی تعظیم و تقدیس ان کی گھٹی میں

لے ملاحظہ ہو مذہب زردشتی کی تاریخ کی کتابیں، نیز ایران قدیم کی کتب تاریخ و مذہب۔

پڑی ہوئی تھی، ان کا عقیدہ تھا کہ حکمرانوں کی رگوں میں جو خون دوڑتا ہے وہ رعیت و جمہور کے خون کی جنس سے نہیں ہے، جب انھوں نے اسلام قبول کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نظر سے دیکھا جیسے وہ اپنے شہنشاہ کسریٰ کو دیکھتے تھے، اور آپ کے خاندان کے لوگوں کو اس نظر سے جس سے حکمران خاندان کو دیکھنے کے عادی تھے۔

جب پیغمبر نے اس دنیا سے رحلت کی تو ان کے نزدیک قدرۃ آپ کی جائیگی کے حقدار آپ کے خاندان ہی کے لوگ ہو سکتے تھے۔

امام غائب کا عقیدہ

امامت اور ائمہ کے بارے میں ان غالبانہ خیالات و عقائد کا جو ان کو مشارکت فی النبوت پھر مشارکت فی الالوہیت کی حد تک پہنچا دیتے ہیں، اور ان کو مافوق البشر ہستی قرار دیتے ہیں، نقطۂ ارتقا (CLIMAX) فرقۂ اثنا عشریہ کے امام غائب کا عقیدہ ہے جو بارہویں امام ہیں، ان کی پیدائش و غیبت اس وقت تک ان کی حیات اور ہدایت و رہنمائی کا عقیدہ عقل و قیاس اور خدا کے قانون تکوینی و شرعی سے بے نیاز ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ گیارہویں امام حسن عسکری کی وفات سے دس دن پہلے ان کے صاحبزادہ پورے سامان امامت اور خاندان کے ورثہ کے ساتھ شہر "سُرْمَن رَای" کے غار میں روپوش ہو گئے، وہ ابھی تک وہاں زندہ سلامت موجود ہیں، اور قیامت تک زندہ اور روپوش رہیں گے، اور جب وہ وقت آئے گا جو ان کے

ظہور کے لئے مناسب ہے تو اس وقت غار سے برآمد ہوں گے اور ساری دنیا میں انھیں کی حکومت ہوگی۔

بات یہیں پر جا کر ختم نہیں ہوتی، امام غائب کی ایک غیبتِ صغریٰ تھی جس میں ان کے پاس رازدارانہ طور پر ان کے سفراء اور حاملینِ پیغام کی آمد رفت رہتی تھی، اس کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا اور شہور کر دیا گیا کہ اب غیبتِ صغریٰ کا دور ختم ہو کر غیبتِ کبریٰ کا دور شروع ہو گیا، اب صاحب الزمان کے ظہور تک کسی کی ان تک رسائی نہ ہو سکے گی۔

ائمہ کے بارے میں علامہ خمینی کا مسلک و عقیدہ

شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ یہ علم تحقیق، فکر و مطالعہ اور عالم اسلام اور جماعتِ مسلمین سے ربط و تعلق اور ایک عام دعوت انقلابیے پیشتر کی باتیں ہیں جب فرقہ اثنا عشریہ کی بنیاد غلو اور انتہا پسندی پر تھی اور وہ اپنے دائرہ کے اندر محدود تھا، اب اس وقت کا کوئی پڑھا لکھا شیعہ روح و مقاصد اسلام سے واقف اور ملت کا درد رکھنے والا داعی ایسی ناقابل یقین باتیں نہیں کہہ سکتا تو ہم یہاں پر امام خمینی کی اپنی کتاب "الحکومة الاسلامیة" کی ایک عبارت پیش کرتے ہیں ص ۵۲ الولاية التکوینیة کے عنوان کے تحت حسب ذیل عبارت آئی ہے جو ہم بلفظ نقل کرتے ہیں :-

فان للإمام مقاما محمودا ودرجۃ	امام کو مقام محمود و درجہ عالی اور الہی
سامیة و نظافة تکوینیة تخضع	خلافت تکوینی حال ہوتی ہے جس کی

لولايتها وسبطرتها جميع ذرات
 هذا الكون وان من ضرورات
 مذهبنا ان لا عتقا مقام الا ليلغه
 ملك مقرب ولا نبي مرسل
 وبموجب ما لدينا من الروايات
 والاحاديث فان الرسول
 الاعظم (ص) والائمة (ع)
 كانوا قبل هذا العالم انوارا
 فجعلهم الله بعرشه محققين
 وجعل لهم من المنزلة
 والزلفى ما لا يعلمه الا الله
 عظمت اور غلبہ کے سامنے کائنات کی
 تمام ذلے سرنگوں ہوتے ہیں ہمارے دین
 کے قطعی الثبوت مسائل میں سے یہ ہے کہ
 ہمارے اماموں کو وہ مقام حاصل ہے
 جس کو نہ کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا
 ہے نہ نبی جس کی بعثت ہوئی اور ہماری
 روایات و احادیث کے بموجب رسول اکرم
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ علیہم السلام
 اس عالم سے پہلے انوار (روشنیاں)
 تھے، اللہ نے ان کو اپنے عرش کا احاطہ
 کرنے والا بنا دیا، اور ان کو ایسا مرتبہ
 و قرب عطا فرمایا جس کا علم صرف اللہ کو ہے۔

علامہ خمینی امام غائب اور ان کے ظہور کے اسی طرح قائل ہیں جیسے فرقہ
 اثنا عشریہ کے دوسرے علماء و مصنفین ان کے نزدیک امام غائب کی غیبت پر اگرچہ
 ایک ہزار سال سے زائد مدت گزر چکی ہے، لیکن ممکن ہے کہ ابھی اسی طرح ہزاروں سال
 اور گزر جائیں۔

لہ الحكومة الإسلامية ص ۵۲ یہ کتاب براہ راست ایران سے آئی، وہ کتاب خانہ بزرگ اسلامی کی
 مطبوعہ ہے اور وہ ہمارے پاس موجود ہے۔ ۷۶-۷۷

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ایک اہم مکاشفہ

امامت کے بارے میں ان مُشرکانہ عقائد کو سامنے رکھ کر حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا یہ مکاشفہ و مکالمہ بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے جو ان کو عالم مراقبہ میں حاصل ہوا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روحانی طور پر فرقہ شیعہ کے متعلق دریافت کیا مجھے جواب ملا کہ ان کا مذہب باطل ہے اور ان کے مذہب کا بُطلان لفظ "امام" سے سمجھا جاسکتا ہے، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب اس روحانی مراقبہ کی کیفیت ختم ہوئی تو مجھے خیال آیا کہ واقعی "امام" ان حضرات کے نزدیک وہ معصوم ہستی ہے جس کی طاعت فرض ہے اور جس پر باطنی وحی آتی ہے، اور حقیقت میں یہی نبی کی تعریف ہے، اس لئے ان کا مذہب ختم نبوت کے انکار کا مستلزم ہے۔

ایک آفتابِ عالم ناب باقی سب تابندہ ذرات

جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کا تعلق ہے، آپ کی ذات کے ساتھ صرف ضابطہ و قانون کا تعلق کافی نہیں، روحانی و جذباتی تعلق اور ایسی گہری و دائمی محبت مطلوب ہے، جو جان و مال اور اہل و عیال کی محبت پر فوقیت لے جائے، اور خدا کے بعد کسی کی شخصیت آپ کے سامنے (چاہے وہ اقصاب و ابدال ہوں) چاہے کلماء و فضلاء، اہل بیت (

نہ چنچے اور اس پر اقبال کے الفاظ میں یقین ہو کہ آپ نے ج

غبارِ راہ کو بختا فروغ وادی سینا

آپ آفتاب عالم تاب ہیں اور صحابہ کرامؓ ہوں یا افراد اہل بیتؑ ائمہ
مجتہدین ہوں کہ مصلحین و مجددین، بانیان سلطنت ہوں یا داعیان انقلاب،
سب ذرات ہیں جو اس آفتاب عالم تاب کی روشنی سے روشن ہوئے اور خاک سے
اکسیر اور لوہے سے پارس بن گئے، بقول شاعرے

سر سبز سبزہ ہو جو ترا پا ئمال ہو

ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو

حضراتِ شیعہ کے یہاں منقبت و نعت میں آواز اور دکان فرق

لیکن امامت و امام کے بارے میں یہ عقائد اس سے نہ صرف یہ کہ غیر مطابق
بلکہ متضاد و متحارب ہیں، اُن کا قدرتی یا نفسیاتی نتیجہ ہے کہ حضراتِ شیعہ کے قلم سے
نہ کوئی پُر اثر اور طاقتور سیرت کی کتاب نکلتی ہے، نہ ان کے شعرائے باکمال کی زبان سے
نعت میں وہ سوز و ساز اور وہ دل کی آواز نظر آتی ہے جو مرثی و مناقب اہل بیت
میں اور واقعہ کر بلا کی تصویر کشی اور جوی میں ملتی ہے، نہ ان کے یہاں کوئی ایسا نعت گو
شاعر پیدا ہوا جس کو اگر قدسی اور جامی کے سامنے نہیں تو امیر عینی، الطاف حسین
حالی، محسن کا کوروی، محمد اقبال اور ظفر علی خاں کے سامنے رکھا جاسکے اور
یہ بات بالکل قرین قیاس، اور قابل فہم ہے، راقم سطور نے اپنے سفر نامہ
”دریائے کابل سے دریائے یرموک تک“ میں اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا

یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے :-

”حضرات ائمہ اہل بیت ہمیشہ تاریکی میں مینارۂ نور، اور ہدایت و رہنمائی کے امام رہے ہیں، اس میں کسی صحیح العقیدہ مسلمان کو شک نہیں ہو سکتا، لیکن ہمارا احساس یہ ہے کہ شیعوں حضرات کا ان ائمہ اہل بیت سے اتنا غیر معمولی جذباتی تعلق، اور اہل بیت کی محبت میں حد سے بڑھا ہوا انہماک عقل و جذبات اور ضمیر پر غالب آ گیا ہے، اور ہمارا تاثر یہ ہے کہ اس تشفیگی و شفقت نے اس تعلق و محبت کو کسی حد تک مجروح اور کمزور کر دیا ہے، جو نبوتِ محمدیٰ اور ذاتِ نبویٰ کے ساتھ ہر مسلمان کا ہونا چاہئے جس کی وجہ سے اہل بیت نے عزت و شرف کا مقام حاصل کیا، اور وہ ہماری محبت و تعظیم کے مستحق قرار پائے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس اندرونی ربط و تعلق کا ایک حصہ (کوٹا) جو اس ذاتِ گرامیٰ کے ساتھ مخصوص تھا، اس تعلق (اہل بیت کے کوٹے) میں داخل ہو گیا۔

چنانچہ ایران کے اخیر دور کے نعتیہ کلام میں (جس کی کچھ زیادہ مقدار نہیں ہے) وہ بوش و خروش، طبیعت کی روانی اور مضامین کی آمد نہیں ہے جو ان نظموں میں نظر آتی ہے، جو مناقبِ اہل بیت، مرثیے اور خاص طور پر سیدنا علی مرتضیٰؑ اور حضرت حسینؑ کی مدح و توصیف اور مصائبِ اہل بیت کے بیان میں کہی گئی ہیں، یہ فرق شیعوں حضرات کے یہاں ہر جگہ نعتِ نبویٰ اور اہل بیت کی مدح و توصیف کے درمیان دیکھا جاسکتا ہے، اردو میں انیس و دہریہ کے مرثیے پڑھے اور اس کا خود ان کے

اور دوسرے شعراء کے نعتیہ کلام سے مقابلہ کیجئے، جو ان کے ہم مسلک اور ہم مذہب تھے، دونوں میں آمد و آؤرد، اور اصلی و ضمنی کا فرق محسوس ہوگا، کم و بیش یہی فرق سیرت نبویؐ، اور مناقب اہل بیت میں پایا جاتا ہے، یہی چیز ہم نے ایران میں دیکھی کہ وہاں مشاہد و مقابر سے جو تعلق ہے وہ مساجد سے نہیں معلوم ہوتا، نجف و کربلا، اور عتبات عالیہ کے سفر کا جو شوق ہے وہ حرمین شریفین کی زیارت اور سفر حج کے سلسلہ میں نظر نہیں آتا۔

ہو سکتا ہے، ہمارے اثنا عشری بھائیوں میں یہ ردِ عمل اہل سنت کے بعض علماء اور پرچوش حضرات کے رویہ، اور اہل بیت کے حقوق کے اعتراض میں کوتاہی سے ہوا ہو، لیکن یہ بات ردِ عمل سے کچھ آگے بڑھی ہوئی ہے، محبت و عقیدت، ہوش و جذبہ اور تقدیس و تعظیم کا جو ہالہ اس روحانی مرکز کے گرد بن گیا ہے، اور اس کی مدح و توصیف میں جسے بالوغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے، اس سے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ چیز امامت کو نبوت کا حریف اور اس کی بہت سی صفات و خصوصیات میں شریک و ہم نہ بنا دے اگر ایسا ہوا تو پوری زندگی کا دھارا ایک ایسے مرکز کی طرف ہو جائے گا، جو آلِ انبیاءؑ خاتم النبیین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو پہ پہلو پر وان چڑھے گا،

ائمہ اہل بیت کی توہین آمیز اور جوصلہ شکن تصویر

ائمہ اہل بیت کے بارے میں ایسے غالیانہ عقائد و بیانات کے ساتھ جو ان کو

ما فوق البشر، سستی ثابت کرتے ہیں، اور بعض حیثیتوں سے ان میں بعض صفات الوہیت پیدا کر دیتے ہیں، کتب ثبوتہ میں ان کی ایسی تصویر پیش کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ (خاکم بدہن، مع حضرت علیؑ شہ خد کے) شجاعت کے جوہر اور اعلان حق کی جرأت سے محروم، خطرات و مخاوف سے لرزاں و ترساں، مسلسل طریقہ پر حق پوشی، مصلحت اندیشی سے کام لینے والے، تقیہ کو نہ صرف ایک وقتی ضرورت اور حفاظت خود اختیاری کا ہتھیار سمجھنے والے بلکہ اس کو عبادت اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ جاننے والے اور اس سے بضرورت و بلا ضرورت کام لینے والے، امت محمدیٰ کو (تھوڑا سا خطرہ مول لے کر) اصل تعلیمات نبوی کے علم سے دور اور اپنے کو تھوڑے سے خطرہ میں ڈال کر دین کو عزت و غلبہ سے محروم رکھنے والے ہیں، ان کتب مناقب و فضائل سے ان ائمہ والاثنان کی (أعاذہم اللہ) جو تصویر سامنے آتی ہے وہ فری میسن (FREE MASON) جمعیتہ انخوان الصفا اور مختلف ملکوں کے خفیہ اور

۱۔ امام جعفر صادق کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے مرید صادق سلمان سے فرمایا "یا سلمان انکم علی دین من کتمہ اعزہ اللہ ومن اذاعہ اذلہ اللہ" (اے سلمان تم ایسے دین پر پوچھو چھپائیکا، اللہ اس کو عزت دے گا، اور جو اس کو پھیلائیگا اللہ اس کو ذلیل کرے گا) خود امام باقر کا ارشاد نقل کیا گیا ہے "ان أحب اصحابی الی اور عہم و اتقہم اکتہم بعد یشنا" (میرے رفقاء خدام میں مجھے سب سے محبوب وہ ہے اور وہی سب سے زیادہ متقی تقیہ ہے جو ہمارے کلام کو زیادہ چھپانے والا ہے) اصول کافی ص ۲۸۵-۲۸۶ اصول کافی میں یہاں تک آیا ہے دین کا تقیہ ہے اور جو تقیہ نہیں کرتا اس کے پاس دین نہیں (ص ۲۸۶)۔ ۲۔ یہ عہد عباسی میں آزاد فلسفیانہ خیالات رکھنے والوں کی (جن میں ایک تعداد اطباء کی تھی) ایک خفیہ تنظیم تھی، انہوں نے اپنا نام "انخوان الصفا" رکھا تھا (باقی صفحہ پر)

زیر زمین (UNDERGROUND) تنظیموں سے قطعاً مختلف نہیں، اور اس کو پڑھ کر انسان کے دل میں وہ جو صلہ مندی، شان عزیمت، اشاعتِ دین اور غلبہ اسلام کے لئے مہم جوئی اور خطر پسندی کی روح پیدا نہیں ہوتی جس نے اسلام کی چودہ سو برس کی تاریخ میں مختلف تاریک زمانوں اور مالوس کن حالات میں واقعات کا دھارا بدل دیا اور تاریخ کو نیا رخ اختیار کرنے پر مجبور کیا، اقبال نے کیا خوب کہا ہے

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی
 آئین ہواں مرداں حق گوئی و بیباکی التدرکے شیروں کو آتی نہیں رو باہی

اہل بیت کی سیرت و کردار تاریخ کے آئینہ میں

خاندان نبوت کے افراد، اہل بیت کرام، پیدنا علی مرتضیٰ اور ان کی اولاد ماجا

(باقی ص ۸۱ کا) چوتھی صدی ہجری میں بغداد ان کا مرکز تھا، یہ مخفی طریقہ پر جمع ہوتے تھے اور فلسفیانہ بحث

اور آزادانہ خیالات پر تبادلہ خیال کرتے تھے، قانون یہ تھا کہ معتین اوقات میں ان کی نشست ہوتی تھی،

اس میں کوئی اجنبی آدمی شامل نہیں ہونے پاتا تھا، انھوں نے باون خطوط کی شکل میں اپنے فلسفہ کو مدون

کیا ہے، جو "رسائل انخوان الصفا" کے نام سے مشہور ہیں، لکھنے والوں نے اپنے نام مخفی رکھے ہیں،

معتزلہ اور ان کے ہم مذاق لوگ ان خطوط کی نقلیں لیتے تھے، اور ان کو مخفی طریقہ پر اسلامی

مالک میں لے جاتے تھے، ۱۸۸۳ء میں لیبرج میں، ۱۸۸۶ء میں بمبئی میں، ۱۸۸۹ء میں مصر میں،

ان کی اشاعت ہوئی، (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ فلاسفۃ الاسلام فی المشرق والمغرب")

تالیف محمد لطفی جمیعہ ۲۵۳-۲۶۶)

لے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب "تاریخ دعوت و عزیمت" جلد ۱ تا ۲، ۲۵۳-۲۶۶ جبریل۔

اپنی اس نسبت گرامی کے بارہ میں جو ان کو سرور کائنات، مفتخر موجودات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے حاصل تھی بڑے غیور خوددار واقع ہوئے تھے، وہ دوسرے مذاہب اور قوموں کے دینی پیشواؤں کے خاندانوں اور فرزندوں کی طرح جن کو ان مذاہب کے پیروہر حال میں عظمت و تقدیس کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کے ساتھ مافوق البشر ہستیوں کا سامنا کرتے ہیں، اپنی اس نسبت و نسب کے کوئی دنیاوی فائدہ نہیں اٹھاتے تھے، اور استخوان فروشی اور مفت خوری سے کوسوں دور رہتے تھے، تاریخ و تذکرہ کی کتابوں میں ان کی خودداری، عزت نفس اور استغناء بے نیازی کے جو واقعات آئے ہیں ان سے ان کی سیرت و کردار کا جو نقشہ سامنے آتا ہے، وہ دوسرے ادیان و ملل کے اس دینی طبقے (برہمنوں اور پڑوہتوں) سے بہت مختلف ہے، جن کو پیدائشی تقدیس اور عظمت حاصل ہوتی ہے، اور جن کو اپنی ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے کسی محنت و کوشش کی ضرورت نہیں ہوتی، اس سلسلہ کے چند واقعات لکھے جاتے ہیں، جن سے کسی قدر اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

سیدنا حسن بن علی کسی ضرورت سے بازار گئے انھوں نے ایک کان سے کچھ مال خریدنا چاہا، دکاندار نے اس کے اصل دام بتائے پھر کسی کے اشارہ کرنے سے یا کسی قرنیہ سے اس کو علم ہو گیا کہ یہ نو اسے رسول حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے فوراً دام کم کر دیئے اور خصوصی رعایت کرنی چاہی، حضرت حسنؓ مال چھوڑ کر واپس آگئے اور فرمایا کہ میں اپنی نسبت سے یہ فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا، تاکہ میرے ساتھ رعایت کی جائے۔

سیدنا علی بن حسینؓ (زین العابدین) کے رفیق و خادم خاص جو یرتہ بن اسماء

کہتے ہیں کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربت کی بنیاد پر کبھی ایک درہم کا بھی فائدہ نہیں اٹھایا، ما اکل علی بن الحسین یقرابته من رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) درهما قط۔^۱

یہی سیدنا علی زین العابدین جب سفر کرتے تھے تو اپنے نام و نسب کا اظہار ہونے نہیں دیتے تھے، لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ میں اس نسبت سے فائدہ اٹھاؤں اور دوسروں کو فائدہ نہ پہنچاؤں^۲ (اور یہ بات سفر میں ممکن نہیں)۔

حضرات اہل بیت اور شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ابناء و احفاد اس جوہر شجاعت و شہامت سے آراستہ تھے، جو خاندان نبوت کا شعار اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین شہید کربلا کی میراث تھی، ان کا عمل عزیمت، جرأت کے ساتھ اعلانِ حق، حفاظتِ دین اور مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کے سلسلہ میں ہر طرح کے خطرات برداشت کرنے اور اپنے اور اپنے اہل تعلق کے مصائب میں مبتلا ہونے کی پروا نہ کرنے پر تھا، سیدنا علی زین العابدین کے صاحبزادے زید بن علی نے ۱۲۲ھ میں خلیفہ اموی ہشام بن عبد الملک بن مروان کی حکومت میں (جو اپنے وقت کی عظیم ترین اور مستحکم ترین حکومت تھی) خروج کیا اور حکومت کی بڑی بڑی فوجوں پر فتح پائی، آخر میں شہادت سے سرخرو ہوئے، ان کو سولی دی گئی اور چار سال تک مصلوب رہے۔

رجب ۱۴۵ھ میں حضرت حسن کے پرپوتے محمد بن عبد اللہ المحض بن حسن المثنیٰ بن

۱۔ البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۹ ص ۶۸۷ و فیات الاعیان لابن خلکان ج ۲ ص ۳۳۴

۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتب تاریخ ابن جریر طبری، ابن اثیر اور ابن کثیر۔

حسن بن علی بن ابی طالب معروف بذوالنفس الزکیہ نے خلیفہ منصور عباسی کے خلاف مدینہ طیبہ میں خروج کیا اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ نے ذی الحجہ ۱۲۵ھ میں بصرہ میں منصور کے خلاف علم جہاد بلند کیا اسلام کے دو عظیم ترین فقہی مکاتب مذہب مالکی و مذہب حنفی کے دونوں جلیل القدر اماموں، امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے ان کی بیعت و حمایت کا فتویٰ دیا امام ابوحنیفہ نے مالی نذرانہ بھی پیش کر کے اپنی حمایت و نصرت کا اظہار فرمایا، جو بعد میں منصور کے عتاب و سرزنش کا سبب بنا محمد ذوالنفس الزکیہ نے ۱۵ رمضان ۱۲۵ھ کو "احجار الزیت" کے مقام پر جو مدینہ منورہ میں واقع ہے بڑے مردانہ و سرفروشانہ طریقہ پر شہادت پائی اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ نے ۲۴ ذی الحجہ ۱۲۵ھ میں کوفہ میں خلعت شہادت زیب تن کیا۔

اندازہ ہوتا ہے کہ ان ساداتِ کرام نے جن کی رگوں میں ہاشمی خون تھا، جب پورے طور پر اس کا اندازہ کر لیا کہ اب خلفاء بنی عباس کے خلاف علم جہاد بلند کرنا جن کی حکومت ایشیاء و افریقہ کے وسیع اور متہذّن ممالک پر حاوی تھی، اور جن کے زیر سایہ اسلام دُور دراز کے ملکوں تک پہنچ رہا تھا، اور مرکز خلافت میں بھی امن و امان قائم تھا، علم دین کی اشاعت ہو رہی تھی اور اسلام کی تعلیمات و نظام کا بہت سا حصہ قائم تھا، انھوں نے کسی ایسی خوں ریزی و انتشار انگیزی

اے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مولانا سید مناظر حسن گیلانی کی قاضیانہ و محققانہ کتاب "امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی" صفحہ ۳۴۸ تا ۳۵۳، امام ابوحنیفہ نے امام زید بن علی کی بھی علانیہ حمایت

فرمائی تھی اور ان کے خروج کو حق بجانب ثابت کیا تھا۔ ایضاً ۱۵۱-۱۵۲

احتراز کیا، جس سے بظاہر ان کے خاندان کے پیشرو اصحاب جلالت و فتوت کی کوششوں کی طرح کسی بڑے نتیجہ کے نکلنے کی امید نہیں تھی، ان کی یہ خاموشی اور مسلمانوں کی دینی نگرانی، باطنی و اخلاقی رہنمائی کے کام میں مشغولیت و سرگرمی نہ کسی سہولت پسندی اور عافیت کوشی پر مبنی تھی، نہ اس اصول تقیہ پر عمل کرنے پر جس پر عمل و تلقین کی نسبت ان کی بلند شخصیتوں کی طرف کی گئی ہے اور جس کے سلسلہ کے بعض اقوال و ہدایات اوپر گند چکی ہیں۔

مصنف نے اپنی کتاب ”تاریخ دعوت و عزیمت“ (حصہ اول) میں اس تاریخی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کا یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے :-

”بنی امیہ (اور بنی عباس) کے اس مادی اقتدار اور اس کے قدرتی اثرات کے باوجود اس عہد تک دین کا وقار اس کا اخلاقی اثر کسی حد تک مسلمانوں کی زندگی میں قائم تھا، یہ دینی وقار اور اخلاقی اثر ان اشخاص کی بدولت تھا، جو دینی و علمی حیثیت سے بلند مقام رکھتے تھے، اور اپنی للہیت، اخلاص، پاکیزہ نفسی اور علم و تفقہ میں مشہور و معروف تھے، حکومت و انتظامات کے دائرہ سے باہر انہی حضرات کا اثر و اقتدار تھا اس نثر اور قلبی احترام کی وجہ سے مسلمان بہت سی خرابیوں اور گمراہیوں سے محفوظ تھے، اور مادیت کے سیلاب میں بالکل بہ جانے سے رکے ہوئے تھے۔“

ان دینی شخصیتوں میں سب سے بااثر اور محبوب شخصیت حضرت علی بن حسین (زین العابدین علیہ وعلی آباءہ السلام) کی تھی، جو عبادت و تقویٰ اور

زہد و ورع میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، مسلمانوں کو ان کے ساتھ جو تعلق تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ ہشام بن عبد الملک اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں طوان کے لئے آیا شدت ہجوم کی وجہ سے وہ حجر اسود تک نہیں پہنچ سکا، اور اس انتظار میں بیٹھ گیا کہ مجمع کچھ کم ہو تو وہ استلام کرے، اس درمیان میں حضرت علی بن الحسین آئے، ان کا آنا تھا کہ مجمع کاٹی کی طرح چھٹ گیا اور انھوں نے باسانی طوان و استلام کیا، وہ جدھر سے گزرتے، لوگ احتراماً راستہ چھوڑ دیتے تھے، ہشام نے انجان بن کر پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ عہد اموی کے مشہور شاعر فرزدق نے بحسبہ اشعار میں اس کے تجاہل عارفانہ کا جواب دیا، اور ان کا شایان شان تعارف کرایا۔

اسی طرح دوسرے فضلاء اہل بیت حضرت حسن المثنیٰ اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ المحض نیز دوسرے فضلاء تابعین حضرت سالم ابن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما، حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ، حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما مسلمانوں کے لئے دینی نمونہ (ایڈیل) تھے، انھوں نے اپنی خودداری، حکومت سے بے تعلق، حق گوئی اور بے باکی علمی انہماک اور بے غرض خدمت دین سے اپنی اخلاقی برتری کا نشا قائم کر دیا تھا۔

۱۰۔ یہ قصیدہ اب بھی عربی ادب میں یادگار ہے اس کا مطلع ہے۔

هذا الذي تعرف البطحاء ووطانة والبیت يعرف والحل والحرا

محققین کا خیال ہے کہ اس قصیدہ میں بہت سے اشعار بعد میں اضافہ ہوئے ہیں۔

۱۱۔ مفصل حالات و تراجم کے لئے ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ للذہبی، صفوة الصفوة لابن الجوزی اور تاریخ ابن خلکان۔

حکومت کے بڑھتے ہوئے، ہمہ گیر اثرات کے مقابلہ میں یہ اخلاقی اثر اگرچہ کافی نہ تھا، مگر اس میں شبہ نہیں کہ وہ بے قیمت اور بے نتیجہ نہ تھا، اس سے مسلمانوں کی زندگی میں کسی حد تک اعتدال و توازن اور دین کا احترام قائم تھا، اور کبھی کبھی عین دنیاوی انہماک میں بھی اصلاح حال کا جذبہ ابھرتا تھا۔

اسلام اور مسلمانوں کے عہدِ اول کی دو متضاد تصویریں

اسلام کا اولین اور مثالی عہد کیسا تھا، خدا کے سب سے بڑے اور آخری پیغمبر کی تعلیم و تربیت کے عملی نتائج کیا نکلے؟ اور ان انسانوں کی سیرت و کردار کا کیا حال تھا، جنہوں نے آغوشِ نبوت اور دامنِ رسالت میں تربیت پائی تھی، قومی نسلی اور خاندانی سلطنتوں کے بانسوں اور حصولِ اقتدار کے خواہشمند اس کو کچھ امتیاز، حاصل تھا یا نہیں؟ اس کا اپنے خاندان کے معاملہ میں طرزِ عمل، اور خود اس خاندان کا اس کی مقدس و عظیم شخصیت سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں رویہ کیا تھا؟ دین کی دعوت، صداقت و حقیقت کے اعلان، اور عزیمت پر عمل کرنے کے بارے میں اہل بیت کی سیرت و کردار کیا نظر آتا ہے؟ اور پھر ان اولین مسلمانوں اور نبی کے تربیت یافتہ گروہ کے (جن میں اس کے صحبت یافتہ لوگ بھی تھے جن کو "صحابہ" کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے) اور اس کے گھر کے افراد بھی تھے، جن کو "اہل بیت" کے لقب سے پکارا جاتا ہے) باہمی تعلقات کی نوعیت کیا تھی؟ اس مثالی عہد میں جن لوگوں کے ہاتھوں میں زمامِ کار و اقتدار آئی، (جن کو خلفائے راشدین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) عیش و راحت اور مرفہ الحالی کے وسیع امکانات اور غیر محدود اختیار کی

موجودگی میں ان کا شخصی و خانگی زندگی میں طرز عمل اور اپنے وسیع حدود حکومت
 میں مخلوق خدا کے ساتھ معاملہ معتبر تاریخ کی روشنی میں کیا ثابت ہوتا ہے؟ جس آسمانی
 صحیفہ پر اس پورے دین کی اساس ہے، اس کی صحت و حفاظت کی حقیقت کیا ہے؟
 ان سوالات کے جو جواب دیئے گئے ہیں، ان سے دو متقابل و متضاد تصویریں بنتی
 ہیں، جو کھلی سطور میں پیش کی گئیں، ایک تصویر وہ ہے، جو اہل سنت کے عقائد کی
 روشنی میں دنیا کے سامنے آتی ہے، دوسری وہ جو فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے عقائد
 و بیانات اور ان کے دین کی تشریح اور تاریخ اسلام کی تعبیر اور اس کے خاص تصور
 سے تیار ہوتی ہے، ان دونوں تصویروں میں کوئی مماثلت و اتفاق نہیں ہے۔
 اب ہر وہ شخص جس کو اللہ نے عقل سلیم، انصاف کا مادہ اور انسانی تاریخ
 سے واقفیت کا موقع عطا کیا ہے، آسانی سے فیصلہ کر سکتا ہے کہ ان میں سے کون سی
 تصویر ایک ایسے دین کے لئے موزوں و قابل قبول ہو سکتی ہے، جو ساری دنیا کے
 لئے رحمت و ہدایت بنا کر بھیجا گیا ہے، اور جو اس بات کا مدعی ہے کہ اس دین پر
 ہر زمانہ میں عمل ہو سکتا ہے، اور اس سے بہترین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں، اور
 جس کا عقیدہ و اعلان ہے کہ اس دین کے دنیا میں لانے والے پیغمبر کو اپنی کوششوں
 میں سب سے زیادہ کامیابی ہوئی، اور اس کا عہد اس دین اور دعوت کی تاریخ
 میں ہر عہد سے زیادہ باسعادت و بابرکت تھا، اور عقل و نقل کے لحاظ سے
 ایسا ہی ہونا چاہئے، اس سے بہتر اس انسانیت کے لئے کون سی تصویر قابل
 و مفید ہو سکتی ہے، جس کی تاریخ زیادہ تر "نائے و نوش" بعیش کوشن ذاتی اور
 قومی اغراض کے لئے جنگ و جدال، حصول اقتدار کے لئے جدوجہد اور پھر اقتدار سے

فائدہ اٹھانے اور اپنے وابستگان کو فائدہ پہنچانے کی تاریخ ہے، اسلام کے اس دورِ اول میں افراد ہی نہیں ایک پورا انسانی معاشرہ، تمدن، نظامِ حکومت اور طرزِ زندگی، اعلیٰ اقدار بے پیک اصولوں، ہدایتِ عام اور فلاح انسانی کی بنیاد پر قائم ہوا، اور وہ خلیفہ راشد سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے اس قول کی تصدیق و تصویر تھی، جو انھوں نے ایک موقع پر فرمایا تھا "ان محمداً صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انما بعثت ہادیا ولم یبعث جابیا" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے، جابی (تخصیلا رار اور محصل خراج) بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے)۔

اس کے برخلاف فرقہ امامیہ کے عقائد اور بیانات کی روشنی میں اولین مسلمانوں کی جو تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے، اس کے پیش نظر ایک ذہین تعلیم یافتہ شخص یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ جب اسلامی دعوت اپنے سب سے بڑے داعی کے ہاتھوں اپنے دورِ عروج میں کوئی دیر یا اور گہرا نقش مرتب نہ کر سکی، اور جب اس دعوت پر ایمان لانے والے اپنے نبی کی آنکھ بند ہوتے ہی اسلام کے وفادار اور امین نہ رہ سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس صراطِ مستقیم پر اپنے تبعین کو چھوڑا تھا، اس میں سے گنتی کے چار آدمی اس پر قائم رہے تو ہم یہ کیسے تسلیم کر لیں کہ اس دین و دعوت کے اندر نفوس انسانی کے تزکیہ اور تہذیب اخلاق کی صلاحیت ہے، وہ انسان کو حیوانیت کی لپٹی سے نکال کر انسانیت کی بلند چوٹی تک پہنچا سکتی ہے، فرض کیجئے اسلام کا ایک نمائندہ مغربی ممالک کے کسی مرکزی مقام پر یا کسی غیر مسلم ملک میں

اسلام کی صداقت پر سحر انگیز تقریر کر رہا ہے، ایک شخص جس نے مذہب اثنا عشری کی کتابیں پڑھی ہیں، اس کو بر ملا ٹوک دیتا ہے اور کہتا ہے کہ پہلے اپنے گھر کو دیکھئے اور اپنی خبر لیجئے، آپ کے نبی کی تسلسل سال محنتِ ثناء کا نتیجہ صرف چار پانچ ہیں، جو آپ کی وفات کے بعد آپ کے راستہ پر گامزن رہے، آپ کس منہ سے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں، اور ان کے ثبات و استقامت کی کیا ضمانت ہے؟ کیا اس کا جواب ممکن ہے؟

آیت الشہیدینی صفا کی عقائدِ شیعہ پر استقامت اور علانیہ اظہار و دعوت

پچھلے برسوں میں جب آیت الشہیدینی صفا نے اسلامی انقلاب کی دعوت دی اور ”پہلوی“ سلطنت کا تختہ الٹ کر (قبولِ خود) حکومتِ اسلامیہ قائم کی اور ایک نئے دور کا آغاز کیا تو اس کی پوری توجہ تھی (اور اس کے پورے آثار و فرائض موجود تھے) کہ وہ اپنی دعوت کو عام کرنے اور اس کو مقبول بنانے کے لئے شیعہ سنی اختلاف کی قدیم و مسلسل تاریخ کا یہ نزاعی ورق نہ کھولیں گے، اور اگر اس کو کتاب سے جدا نہیں کر سکتے تو کم سے کم اس کو الٹیں گے نہیں، اور اگر فرقہ امامیہ کے ان عقائد سے وہ کسی سیاسی یا مقامی مصلحت سے براءت کا اعلان نہیں کر سکتے تو کم سے کم ان کا اظہار و اعلان نہ کریں گے، بلکہ ان جیسے جری سرکف دینی پیشوا سے (جس نے اپنی بے خوفی، عواقب و نتائج سے بے پرواہی اور آتش بیانی سے اس سلطنتِ پہلوی کا تختہ الٹ دیا، جس کی فوجی طاقت اور اپنی بقا و استحکام کے لئے وسیع انتظامات دنیا کو معلوم ہیں) امید تھی کہ وہ اخلاقی

جمہورت اور اتحاد مسلمین کی خاطر اور اپنے گہرے فکر و مطالعہ کی بنیاد پر یہ اعلان کر دے گا کہ یہ عقائد جو اسلام کی بنیاد پر ہمیشہ چلاتے ہیں اور اس کو دنیا میں بدنام اور بے اعتبار کرتے ہیں اور جو غیر مسلمین کو دعوت دینے کے راستہ میں سنگ گراں ہیں اور جو قرن اول اور صحابہؓ کے عہد کی ایک دشمن اسلام چالاک سازش کے نتیجہ میں اور صدیوں کی قائم شدہ ایرانی شہنشاہی کے زوال کے انتقام کے جذبہ سے برائے کار آئے تھے، اب ان کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش، ہم کو اسلام کا اقتدار قائم کرنے، ممالک اسلامیہ کی اصلاح اور مسلم معاشرہ سے فساد دور کرنے کے لئے اب ماضی کو بھول جانا چاہئے اور ایک نئے سفر کا آغاز کرنا چاہئے جس میں اسلام کی ماضی و حال کی تابناک تصویر دنیا کے سامنے آئے اور دنیا کی دوسری قومیں اسلام کی طرف مائل ہوں۔ لیکن توقعات اور آثار و قرآن کے بالکل عکس ان کے قلم کی خود وہ تحریریں و رسائل اور کتابیں سامنے آئیں جن میں انھوں نے پوری صفائی اور طاقت کے ساتھ انھیں شیعہ عقائد کا اظہار کیا ہے، ان کی کتاب "الحکومة الإسلامية، ولاية الفقیہ" میں امامت اور ائمہ کے بارے میں وہی خیالات ظاہر کئے گئے ہیں جو ان کو مقام الوہیت تک

لے اس لئے کہ ان کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی اس جماعت میں جس کی تعداد صرف حجۃ الوداع میں ایک لاکھ سے زیادہ بتائی جاتی ہے، اپنے پیغمبر کی آنکھ بند ہونے کے بعد صرف چار آدمی اسلام پر قائم رہے، باقی سب نے معاذ اللہ ارتداد کا راستہ اختیار کیا، قرآن مجید سترنا پا محرف و تبدیل شدہ ہے، ائمہ اہل بیت (ازدئے لقیہ جو دینی فریضہ اور عزیمت ہے) حق کے چھپانے والے، اصل قرآن کو پوشیدہ رکھنے والے، ہر خطرہ و اندیشہ سے دور رہنے والے، اور اپنے تبعین کو اسی کی تلقین کرنے والے تھے (ملاحظہ ہو فرقہ اثنا عشریہ کی معتبر کتابیں، اصول کافی، فصل الخطاب اور خود علامہ خمینی کی تصنیفات "کشف الاسرار" وغیرہ یا کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" از مولانا محمد منظور صاحب نعمانی۔)

پہونچاتے ہیں اور ان کو ہنری و ملک سے افضل ثابت کرتے ہیں اور یہ کہ کائنات تکوینی طور پر ان کے تابع فرمان اور زیر اقتدار ہے، اسی طرح ان کی فارسی کتاب "کشف الاسرار" میں صحابہ رسولؐ بالخصوص خلفائے ثلاثہ کے متعلق جرح و تنقید ہی نہیں بہت قسم کے وہ الفاظ آئے ہیں جو کسی بڑی سے بڑی ضال و مضل و فاسق و فاجر، زائع و مزلیع، اور سازشی جماعت کے لئے آسکتے ہیں، یہ دونوں چیزیں ان کی دعوت کے ساتھ چل رہی ہیں اور یہ کوئی خفیہ ہدایات یا پرائیوٹ خطوط کی شکل میں نہیں ہیں، مطبوعہ اور شائع شدہ رسائل کی شکل میں ہیں۔

خمینی صاحب کے حامیوں اور معتقدین کا عقیدہ سے صرف نظر

خمینی صاحب کی یہ دونوں چیزیں (امامت اور ائمہ کے بارے میں خیال، اور صحابہؓ پر طعن و الزام) کوئی چھپی ڈھکی چیز نہیں تھی، یہ رسائل ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں ایران اور ایران سے باہر پھیل چکے ہیں، اس بناء پر اس بات کی پوری توقع تھی کہ عقیدہ و بنیاد کے اس اختلاف امت کے بنیادی عقیدہ توحید میں رخنہ اندازی "مشارکت فی النبوة" (جو امامت کی تعریف اور ائمہ کے اوصاف کا لازمی و منطقی نتیجہ ہے) اور صحابہ کرامؓ کی شخصیتوں پر جو مسلمانوں کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ قابل احترام اور قابل محبت شخصیتیں ہیں، اور جن کا دور تاریخ اسلام ہی میں نہیں تاریخ انسانی میں (مستند تاریخ کی روشنی میں اور مسلم و غیر مسلم مؤرخین کی

شفق شہادت کے مطابق) دنیا کا معیاری و مثالی دور حکومت اور نمونہ زندگی تھا، طعن و تشنیع کے بعد کم سے کم اس حلقہ میں جو سنی العقیدہ ہے (اور وہی مسلمانوں میں اکثریت کی حیثیت رکھتا ہے) ان کی دعوت مقبول نہیں ہوگی اور ان کو اسلامی انقلاب کا علمبردار، حکومت اسلامی کا مؤسس و بانی، اور مثالی رہنما و قائد نہیں سمجھا جائے گا، لیکن یہ دیکھ کر صدمہ بھی ہوا اور حیرت بھی کہ بعض ایسے حلقوں میں جو فکر اسلامی کے علمبردار اور اسلام کے عروج و غلبہ کے داعی و متمنی ہیں، ان کو ایک "امام منتظر" کی حیثیت دی گئی، اور ان سے ایسی عقیدت و محبت کا اظہار کیا گیا، جو اس عصیبت کی حد تک پہنچ گئی ہے، جو تنقید کا ایک لفظ سننے کی روادار نہیں ہوتی، اس تجربہ اور مشاہدہ سے دو باتوں کا اندازہ ہوا۔

اسلام میں عقیدہ کی اہمیت اور اس کے صرف نظر کے خطرناک نتائج

۱۔ بہت سے حلقوں میں مدح و ذم اور تعریف و تنقید کا معیار کتاب و سنت، اسوہ سلف اور عقائد اور مسلک کی صحت نہیں رہا، بلکہ اسلام کے نام پر مطلق حکومت کا قیام، طاقت کا حصول، کسی مغربی طاقت کو لٹکار دینا، اس کے لئے مشکلات پیدا کر دینا اس کو محبوب و مثالی قائد بنا دینے کے لئے کافی ہے۔

۲۔ عقیدہ کی اہمیت ہماری نئی تعلیم یافتہ نسل میں خطرناک حد تک کم ہوتی جا رہی ہے، اور یہ بڑی تشویش انگیز اور قابل فکر بات ہے، انبیاء اور غیر انبیاء کی دعوتوں میں ان کی جدوجہد کے مقاصد اور محرکات میں سب سے بڑی حد حاصل یہی عقیدہ ہے جس پر وہ کسی سمجھوتہ اور اونے پونے سو داکر لینے کے لئے تیار نہیں ہوتے، ان پہا

لہ اس کے دلائل اور مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو راقم سطور کی کتاب "دستور حیات" بعنوان "دین اسلام کا مزاج اور اس کی نمایاں خصوصیات" ص ۲

رد و قبول پسندیدگی ناپسندیدگی کا معیار اور وصل و فصل کی شرط ہی عقیدہ ہوتا ہے یہ دین (جو) مسلمانوں کی ساری کمزوریوں کے باوجود اپنی اصلی شکل پر اس وقت تک موجود ہے وہ اسی عقیدہ کے معاملہ میں صلابت و استقامت اور حمیت و غیرت کا رہنما ہے دین تبار حین و محافل میں اس سلسلہ میں کسی باجبر و طاقت اور کسی وسیع سے وسیع تر بادشاہی کے سامنے پیر نہیں ڈالی اور اس کے کسی غلط عقیدہ اور دعویٰ پر سکوت جائز نہیں سمجھا چھوٹا چھوٹا اس کو اسلام اور مسلمانوں کے دنیاوی منافع اور اختلاف و تفریق سے بچنے کی لالچ میں قبول کر لیتے یا ہمنوا لی کرتے امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) کا تعلق قرآن کے عقیدہ میں نہ صرف مسلمانوں کے دو سب سے بڑے حکمرانوں بلکہ اس دور کے سب سے بڑے فرمانرواؤں خلیفہ مامون الرشید (فرزند خلیفہ ہارون الرشید) اور مہم بن ہارون رشید کے مقابلہ میں صرف آرا ہو جانا اور زاریا نول و زرنندان کی تکلیف برداشت کرنا حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی (م ۱۰۳۴ھ) کا شہنشاہ اکبر کے عقیدہ ہزارہ دوم، عوایے امامت و اجتہاد اور وحدانیت کی مخالفت کرنا پھر جہانگیر کے عہد تک اس کو اس وقت تک جاری رکھنا جب تک کہ حکومت مغلیہ کا رخ بدل نہیں گیا، اس کی دو مثالیں ہیں ورنہ تاریخ اسلام اپنے اندر کلمۃ حق عند سلطان جائز اور لاطاعۃ مخلوق فی معصیۃ الخالق کی تابناک مثالیں رکھتی ہے یہ سلطان جہانگیر بھی شخصی بادشاہ ہوتا ہے بھی رائے عامہ بھی شہرت عام بھی دل فریب کامیابیاں اور بلند بانگ عاویٰ اور تاریخ و تجربہ شاہد ہے کہ آخر الذکر صورتیں زیادہ آزمائش کی چیزیں ہیں۔

حقیقت میں اسلام کی حقیقی تعلیم اور صحیح عقیدہ وہ دریا ہے جو کبھی اپنا رخ نہیں بدلتا، اور کبھی پایا نہیں ہو سکتا، سیاسی طاقتیں، وقتی انقلابات حکومتوں کا قیام و زوال اور دعوتیں و تحریکیں جو جس میں جو آتی اور گزر جاتی ہیں، دریا اگر صحیح رخ پر بہ رہے اور آب جاری ہو تو کوئی خطرہ نہیں، لیکن اگر عقیدہ میں سا د ا گیا تو گویا دریائے اپنا رخ بدل لیا، اس پر آب صافی کے بجائے گندلا اور ناپاکی پانی بہنے لگا، اس ناپاکی عقیدہ

اور یخ و ضلال کے ساتھ کوئی دعوت و تحریک کسی ملک کا عروج و اقبال کسی معاشرہ کی جزئی اصلاح یا کسی فساد و خرابی کو دور کرنے کا دعویٰ یا وعدہ قبول نہیں کیا جاسکتا، یہ حقیقت ہے جس میں ملت کی بقا اور دین کی حفاظت کا راز مضمر ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جو اپنے اپنے دور کے علماء و خادین اور مجاہدین شریعت و سنت کو اس دشوار اور بعض اوقات ناخوشگوار فرض کو ادا کرنے پر مجبور کرتی رہی ہے۔

سحر انگیزی کے نفسیاتی و سیاسی اسباب

آیت اللہ خمینی صفا کی اس کامیابی سے جو ان کو رضا شاہ پہلوی کی حکومت کے مقابلہ میں حاصل ہوئی اور اس انقلاب سے جو ایک مخصوص شکل میں ایران کے معاشرہ میں رونما ہوا، نیز بعض مرحلوں پر دنیا کی عظیم ترین طاقت امریکہ کی ناکامی، ایرانی نوجوانوں کے جذبہ قربانی اور اسی کے ساتھ متعدد مسلم و عرب ممالک کی دینی و اخلاقی کمزوریوں و خامیوں اور وہاں کی ناپسندیدہ صورت حال سے برصغیر کے مسلمان نوجوانوں کے ایک بڑے حلقہ میں جو موجودہ حالات سے بےزار تھا، اور جو ہر اس حوصلہ مندی اور مہم جوئی سے محروم ہوتا ہے جس میں اسلام کا نام شامل ہو جائے، خمینی صفا اس طرح مقبول ہوئے ہیں جیسے کسی زمانہ میں ہندوستان میں کمال اتاترک اور عرب قوم پرستوں کے حلقہ میں جمال عبدالناصر تھے اور اب بھی بعض حلقوں میں بعض ایسے سربراہان مملکت مقبول و محبوب ہیں جو کھلے طریقہ پر نکر سنت، حدیث کا مذاق اڑانے والے مغربی تہذیب کے رائج کرنے والے اور کمیونسٹ خیالات کے پیروندھی رنگ و آہنگ کے شامل ہوجانے کی وجہ سے خمینی صفا ان سے زیادہ مقبول ہوئے ہیں اور یہ سب اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اگر کوئی عقیدہ کا سوال اٹھائے اور کتاب و سنت، اجماع امت کے زاویہ نگاہ سے بحث کرے اور اس معیار سے اس کو جانچنے کی کوشش کرے تو ان حضرات کے لئے اس کا سننا بھی دشوار ہے اور ناپسندیدگی و برہمی اشتعال و انتہا کی حد تک پہنچ جاتی ہے، یہ صورت حال ہے جو اس دین کے مستقبل و روح اسلام کے نقطہ نظر سے سخت تشویشناک ہے اور حضرت علی کے اس بلند فقرہ کی تشریح و تصدیق اتباع کل ناعق (زور سے بولنے والے کے پیچھے لگ جانے والے)

رَبَّنَا لَا تُرِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝

(آل عمران - ۸)

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی چند اہم شاہکار تصنیفات

نبی رحمت مکمل
حدیث کا فیاد کی کردار
معرکہ ایمان و مادیت
پرانے چراغ مکمل (دو جلدیں)
ارکان اربعہ
نقوش اقبال
کاروانِ مدینہ
تادیانیت
تعمیر انسانیت
حدیث پاکستان
اصلاحیات
صحیحہ باہل دل
کاروانِ زندگی مکمل
مذہب و تمدن
دستور حیات
حیات بعد الموت
دو متضاد تصویریں
تحفہ پاکستان
پاجاسواغ زندگی
عالم عربی کا المیہ

تاریخ دعوت و عزیمت مکمل (چھ جلدیں)
مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر
منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین
دریائے کابل سے دریائے یرموک تک
تذکرہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی
تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات
تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب
مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں
نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں
جب ایمان کی بہار آئی
مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت
حجاز مقدس اور جزیرہ العرب
عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح
ترکیب و احسان یا تصوف و سلوک
مطالعہ قرآن کے مبادی اصول
سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا
خواجین اور دین کی خدمت
کاروانِ ایمان و عزیمت
سوانح مولانا عبد القادر رائے پوری

ناشر - فضل ربی ندوی - فون - ۶۱۱۸۱۷
مجلس نشریات اسلام ناظم آباد منیشن - ۱ کے پتہ آباد کراچی